رمضان/شوال 2006ء

میگزین

خلافت

علیٰ منہاج نبوت

((...ثم تکون خلافة علیٰ منهاج النبوة))

"...پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت (نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی" (رواہ احمد)

چاند کا مسئلہ؟

امت مسلمہ کب ایک امت کے طور پر روزہ رکھے گی

اور ایک امت کے طور پر عید منائے گی

خلافت

میگزین

علیٰ منہاج نبوت

((...ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة))

''... پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت (نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت) قائم ہوگی'' (رواہ احمد)

رمضان/شوال 2006ء

فہرست

- اداریہ.........................1
- چاند کا مسئلہ؟.........................2
- اسلام کے خلاف پوپ کی ہرزہ سرائی.......5
- حکومت پاکستان کی معاشی پالیسیاں........7
- خالص اسلام پر چلنے کے صحیح اصول..........9
- اسلام کے نظام حکومت کی شکل وہیت......14
- امتِ مسلمہ پر ہندو غلبہ قائم کرنے کی مذموم کوشش 16
- نوجوان نسل کے لیے امریکہ کا منصوبہ اور حکومتِ پاکستان کا کردار 18
- اسلام کا اقتصادی نظام.................20
- حدود آرڈیننس کی آڑ میں اسلام پر حملہ.....23
- فرقہ واریت کا اصل حل...................27
- لبنان میں پاکستانی فوج بھیجنا امریکی مفاد میں ہے...............................28
- کیمرے کی آنکھ سے......................30
- غزوۂ حنین..............................32

رابطہ کے لیے:

info_khilafat@mymail.ph

خط وکتابت کے لیے:

P.O. Box No. 1924 Lahore

حزب التحریر کی ویب سائٹس:

www.hizb-ut-tahrir.com.pk

www.hizb-ut-tahrir.org

www.khilafah.com.pk

www.khilafah.com

اداریہ

اس سال رمضان کا مہینہ مسلم امت کے لیے ایک منفرد نوعیت کا حامل مہینہ ہے۔ گزشتہ سالوں کی بانسبت اس بار امت کے سامنے بہت ساری گتھیاں کھل کر سامنے آچکی ہیں۔ جو چیزیں آج انتہائی نمایاں ہیں ان میں ایک تو استعاری کفار کی طاقت کی حقیقت، دوسرا مسلمان حکمرانوں کی خیانت اور تیسرا مسلم امت کی ایک ہونے کی چاہت شامل ہیں۔

جہاں تک استعماری کفار کی طاقت کی حقیقت کی بات ہے تو نائن الیون کے پر فریب واقعہ کے بعد امریکہ کی طرف سے شروع کی جانے والی نام نہاد 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے تسلسل نے امریکہ ہی کی طاقت کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ وہ امریکہ جو طاقت کے نشے میں دھت ساری دنیا خصوصاً مسلمانوں کو جوتے کی نوک پر رکھنا چاہ رہا تھا اب افغانستان اور عراق کے عام باشندوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوا جا رہا ہے اور ایسی دلدل میں پھنس چکا ہے کہ جہاں سے نکلنے کا راستہ بھی اسے ایک نئی تباہی کی طرف ہی لے کر جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ اسرائیل جسے دنیا کی ایٹمی طاقت گمان کیا جاتا ہے وہ لبنان کی جنگ میں ہوائی فائر سے زیادہ کچھ نہ کر سکا اور اپنے سینے پر معصوم بچوں کے قتل، عمارتوں اور پلوں کی تباہی کے علاوہ کوئی تمغہ نہ سجا سکا۔ اور جسے معمولی اسلحے کے حامل حزب اللہ کے مخلص نوجوانوں نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کفار کی یہی حقیقت ہے کہ وہ بظاہر جدید اسلحے سے لیس لیکن اندر سے انتہائی بزدل اور کھوکھلے ہیں۔

جہاں تک مسلمان ملکوں پر مسلط حکمرانوں کی خیانت کا تعلق ہے تو یہ بات اب انتہائی واضح ہو چکی ہے کہ یہ حکمران انہی کفار آقاؤں کو اپنا مائی باپ سمجھتے ہیں۔ یہ ان کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم کو ان کا حق سمجھتے ہیں اور پھر اس کے لیے انہیں اپنی سرزمینیں، ہوائی اڈے، آبی گزرگاہیں اور مخلص مسلمانوں کے متعلق خفیہ معلومات فراہم کرتے ہیں تا کہ یہ کفار بڑی آسانی سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل سکیں۔ یہ حکمران ایک طرف مسلم امت کو کمزور بتاتے ہیں اور دوسری طرف اسی امت کی افواج کے بہادر جوانوں کو امریکیوں کی حفاظت اور اس کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہی وہ عظیم خیانت ہے جو یہ حکمران مسلم امت کے ساتھ کر رہے ہیں۔

جہاں تک امت کے ایک ہونے کی چاہت ہے تو دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ محمد ﷺ کے اس فرمان کے مطابق کہ 'مسلمان ایک قوم ہے، اس کی جنگ ایک ہے، اس کا ملک ایک ہے اور اس کی سلامتی ایک ہے' آج بھی مسلمانوں نے کفار کی کھینچی ہوئی ان سرحدوں اور مختلف مسلکوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر اس مسئلے پر ایک ہونے کا ثبوت دیا جو اس مسلم قوم کا مسئلہ تھا۔ وہ ناموس رسالت کا مسئلہ ہو یا پھر عراق یا لبنان پر کفار کی جارحیت ساری دنیا کے مسلمان سراپا احتجاج بن گئے اور اب مسلمانوں کے درمیان ایک ہونے کی صدائیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہیں، لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ مسلمان صرف خلافت کے دوبارہ قیام کے ذریعے ہی وحدت حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسے اس رمضان میں یہ گتھیاں کھل گئی ہیں تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ خلافت کے دوبارہ قیام کا عزم کر کے اس عظیم فرض کی ادائیگی کی جدوجہد میں شامل ہو جائیں۔

چاند کا مسئلہ؟

امت مسلمہ کب ایک امت کے طور پر روزہ رکھے گی اور ایک امت کے طور پر عید منائے گی

اس سال ایک مرتبہ پھر ماہِ رمضان کا آغاز گومگو کی کیفیت اور بے چینی واضطراب کے عالم میں ہوا۔ پاکستان کے مسلمانوں نے جمعہ 22 ستمبر کو متحدہ عرب امارات، افغانستان، سعودی عرب، فلسطین اور دنیا کے کئی دیگر علاقوں میں چاند کے نظر آنے کی اطلاعات سنی اور ٹی وی پر ان خبروں کا مشاہدہ کیا۔ اسی دن پاکستان کے قبائلی علاقوں سے بھی چاند نظر آنے کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ پھر اس سے اگلی شام صوبہ سرحد سے یہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ وہاں 14 لوگوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی ہے۔ تاہم سپارکو SUPARCO نے اعلان کیا کہ ہفتے کے دن چاند کا نظر آنا ممکن نہیں لہٰذا جمعہ کے دن چاند کے دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور رویتِ ہلال کمیٹی نے سپارکو کے اس اندازے کو بنیاد بناتے ہوئے اعلان کیا کہ رمضان کا آغاز پیر کے دن سے ہوگا۔

مسلمان ہر سال رمضان المبارک کے آغاز کے معاملے میں اسی صورتحال کا شکار ہوتے ہیں۔ ہم پاکستان کے مسلمان چونکہ امت مسلمہ کا ایک حصہ ہیں اور رمضان اور عید مسلمانوں کی عبادت اور خوشی کے ایسے دن ہیں جس میں ان کی اجتماعیت نمایاں طور جھلکتی ہے لیکن مسلم ممالک کے حکمرانوں کی طرف سے ان دنوں کے آغاز میں واضح فرق ڈالے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان بے چینی پھیلتی ہی چلی جا رہی ہے اس لیے اس معاملے میں حکمِ شرعی کا معلوم ہونا بے حد ضروری ہے۔ جہاں تک رمضان کے آغاز کے لیے چاند کی رویت کا معاملہ ہے تو اس بارے میں درج ذیل احادیث اس معاملے کا حکم بیان کرتی ہیں:

• ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صوموا لرؤيته و افطروا لرؤيته فان غبي عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين يوماً))

"اس (چاند) کے دیکھے جانے پر روزہ رکھو اور اس (چاند) کے دیکھے جانے پر روزے ختم کرو۔ اور اگر (مطلع) ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو"

(بخاری)

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے (خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو اندازوں اور تخمینوں پر مشتمل سائنسی حساب کتاب سے مرعوب ہیں) کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ 29 شعبان کو چاند کو **آنکھوں سے دیکھا** جائے اور اگر بادلوں کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں۔

> **کیا افغانستان میں واقع جلال آباد پاکستان میں واقع پشاور سے مختلف خطہ ہے؟ اور کیا متحدہ عرب امارات میں واقع دوبئی کراچی سے مختلف خطہ ہے؟**

• اور امام سرخسی نے المبسوط میں ابن عباس سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے:

((ان الناس اصبحوا يوم الشک علی عهد رسول الله ﷺ فقدم اعرابی و شهد برؤية الهلال فقال رسول الله ﷺ: أتشهد أن لا اله الا و انی رسول الله. فقال: نعم. فقال صلی الله عليه و سلم: الله اكبر يكفی المسلمين احدهم فصام و امر الناس بالصيام))

"مسلمانوں نے صبح روزہ نہ رکھا کیونکہ انہیں چاند نظر نہ آیا۔ پھر ایک بدو پہنچا اور اس بات کی شہادت دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ بدو نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! تمام مسلمانوں کے لیے ایک شخص (کی گواہی) ہی کافی ہے۔ پس آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور تمام لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا"

دنیا کے تمام مسلمان ایک ہی رات میں مشترک ہوتے ہیں، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی ایک علاقے کی رویت کا اطلاق تمام مسلمانوں پر نہیں ہوتا۔ اور جو ایسا کہتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف چلتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا: "تمام مسلمانوں کے لیے ایک شخص (کی گواہی) ہی کافی ہے"۔

مندرجہ بالا روایت اپنے علاقے سے باہر چاند نظر آنے کے حکم کو بیان کرنے کے متعلق واضح ہے کیونکہ وہ بدو مدینہ کے باہر سے آیا تھا، مزید برآں یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایک مسلمان کا چاند دیکھ لینا تمام مسلمانوں کے لیے کافی ہے۔ جو لوگ اب بھی اس بات پر مُصر ہیں کہ ہر خطے کا اپنا چاند ہوتا ہے تو ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا افغانستان میں واقع جلال آباد پاکستان میں واقع پشاور سے مختلف خطہ ہے؟ اور کیا متحدہ عرب امارات میں واقع دوبئی کراچی سے مختلف خطہ ہے؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سرحدیں جو استعماری کفار نے مسلمان علاقوں کے درمیان کھینچ رکھی ہیں، وہ مسلمانوں کو مختلف خطوں میں تقسیم کرنے کی بنیاد ہونی چاہئیں؟ جبکہ آئے دن وہ مسلمانوں کے علاقوں کو اپنے منصوبوں کے تحت انہیں تقسیم کرنے اور ان میں ردوبدل کرنے کے ارادوں کو ظاہر کرتے رہتے ہیں جیسا کہ حال ہی میں امریکی

تھنک ٹینک کی طرف سے مسلم علاقوں کی نئی تقسیم پر مشتمل نقشہ منظر عام پر آیا ہے۔ تو ایسی صورتحال میں یہ سرحدیں مسلمانوں کے خطوں کو تقسیم کرنے کی بنیاد بن سکتی ہیں؟ یقیناً نہیں!

دراصل یہ حکومت ہی ہے جو کہ قومیت کے غلیظ ترین تصور کے تحت ان تنظیموں اور کمیٹیوں کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ رمضان کے آغاز کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کریں۔ لہٰذا یہ حکمران ہی امتِ مسلمہ کی عدم وحدت کے ذمہ دار ہیں جو مختلف دنوں پر ماہِ رمضان کا آغاز کرتے ہیں۔

پس گناہ سے بچنے کے لیے ایک شخص کو چاہئے کہ وہ پاکستان کی طرف سے ماہِ رمضان کے دیر سے آغاز کے نتیجے میں چُھٹ جانے والے روزوں کو ماہِ رمضان کے بعد پورا کرے۔

اور آئندہ سال ماہِ رمضان کا آغاز کسی بھی خطے میں چاند نظر آنے پر اُن مسلمانوں کے ساتھ کرے۔

رمضان کے مسئلے کی وضاحت کے بعد عید کے دن کے مسئلے کی وضاحت بھی ضروری ہے: جیسا کہ رمضان کے آغاز کا فیصلہ چاند نظر آنے پر ہوتا ہے اسی طرح عید کا انحصار بھی چاند کے نظر آنے پر ہے۔ اس سے متعلق ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے :

((أن رسول اللہ ﷺ نھی عن صیام یومین : یوم الأضحی و یوم الفطر))

”رسول اللہ ﷺ نے دو دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن“ (بخاری و مسلم)

یہ حدیث عید کے موقع پر چاند دیکھنے کو انتہائی اہم مسئلہ بنا دیتی ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم عید کے مسئلے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی اُس حدیث پر غور کریں جسے ابو عمیر بن انس بن مالک نے روایت کیا ہے، تا کہ ہماری صورتحال ویسی نہ ہو جیسی کہ رمضان کے آغاز پر ہوتی ہے:

((غم علینا ھلال شوال فاصبحنا صیاما فجاء رکب من آخر النھار فشھدوا عند النبی ﷺ انھم راوا لھلال بالامس فامرھم رسول اللہ ﷺ ان یفطروا ثم یخرجو لعیدھم من الغد))

”ہمیں شوال کا چاند بادلوں کی وجہ سے نظر نہ آیا لہٰذا ہم اگلے دن روزے سے رہے۔ لیکن دن کے آخری حصے میں چند مسافر مدینہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے شہادت دی کہ انہوں نے گذشتہ روز چاند دیکھ لیا تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ توڑنے اور اگلے روز عید کے لیے نکلنے کا حکم دیا“ (ابن ماجہ)

لہٰذا اگر مسلمانوں کو اپنے خطے میں چاند نظر نہ آئے اور وہ رمضان کو جاری رکھے ہوئے ہوں لیکن بعد میں انہیں یہ پتہ چلے کہ کسی اور خطے میں چاند نظر آ چکا ہے، تو ان پر لازم ہے کہ وہ روزہ توڑ دیں۔ اس کے لیے مندرجہ بالا حدیث پوری طرح واضح ہے۔

رمضان کے آغاز اور عید کے دن پر مسلمانوں میں عدم وحدت کی موجودگی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ ہر سال ہم اس بیماری سے دوچار ہوتے ہیں جبکہ حکومت نے اس مسئلے کو اسلامی طریقے کے مطابق چاند کی رویت کے ذریعے حل کرنے کی بجائے سپارکو جیسے اداروں کو یہ ہدایات جاری کیں کہ وہ سائنسی حساب کتاب کو بنیاد بنا کر اس مسئلے کا فیصلہ کریں، یعنی ایسا طریقہ جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے براہِ راست متصادم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حکمران اس بات سے نفرت کرتے ہیں کہ مسلمان اپنی عبادات اور خوشیوں میں وحدت اختیار کریں بلکہ وہ مسلمانوں کو منقسم اور تباہ حال دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان حکمرانوں کی یہ خواہش برطانیہ کی خواہش کے مطابق ہے جب خلافت کو توڑے جانے کے بعد اس کی پارلیمنٹ کے اندر یہ بات کہی گئی تھی کہ خلافت کو حصوں بکھروں میں تقسیم کرنا بہت بڑا کام تھا لیکن اس سے بڑا کام اس تقسیم کو برقرار رکھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی ایسے دور سے آگاہ کر دیا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا:

((تنقض عری الاسلام عروۃ عروۃ اولھا الحکم و اخرھا الصلاۃ))

”اسلام کی گرہیں ایک ایک کر کے کھل جائیں گی، سب سے پہلے جو گرہ کھلے گی وہ (اسلام کے مطابق) حکمرانی کی ہو گی اور سب سے آخر میں نماز کی گرہ کھلے گی“

آج ہم پہلے ہی دیکھ رہے ہیں کہ خلافت کے ختم ہونے کے بعد ہمارے علاقوں پر اسلام کے مطابق حکمرانی نہیں کی جا رہی اور اب ہم اپنی آنکھوں کے سامنے حکومتی اداروں کے اعلانات کے ذریعے اپنی عبادات کا مذاق بنتا دیکھ رہے ہیں۔

ہم پر لازم ہے کہ اگر ہم یہ سنیں کہ دنیا میں کسی بھی جگہ پر مسلمانوں نے چاند دیکھ لیا ہے تو ہم رمضان کا اختتام کرتے ہوئے عید منائیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں روزے کو جاری رکھنا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ بلاشبہ کوئی مسلمان بھی اس دن روزہ رکھنا پسند نہیں کرے گا جس دن شیطان اور اس کے پیروکار روزہ رکھتے ہوں۔

اس موقع پر معزز چیئرمین اور ممبران رویتِ ہلال کمیٹی کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ بلاشبہ رمضان کے آغاز کے متعلق سپارکو کی پیشنگوئی پر انحصار کی غلطی، ہر بار دہرائی نہیں جانی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین))

حقیقت یہ ہے کہ یہ حکمران اس بات سے نفرت کرتے ہیں کہ
مسلمان اپنی عبادات اور خوشیوں میں وحدت اختیار کریں بلکہ
وہ مسلمانوں کو منقسم اور تباہ حال دیکھنا چاہتے ہیں

"مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا"

چنانچہ انہیں چاہیے کہ رمضان کا آغاز ہو یا پھر عیدین کے اعلان، اس معاملے میں فیصلہ چاند کو دیکھنے کے اسلامی طریقہ کار کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس معاملے میں سائنسی حساب کتاب اور اندازوں سے مرعوب افراد کے لیے عبداللہ بن عمرؓ سے مروی یہ حدیث بہت اہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انّا أمةٌ أميةٌ لا نكتب و لا نحسب الشهر هكذا وهكذا يعني مرة تسعة و عشرين و مرة ثلاثين))

"ہم ان پڑھ لوگ ہیں، ہم نہ تو لکھتے ہیں اور نہ ہی اندازہ مقرر کرتے ہیں۔ مہینہ یا تو اس طرح ہوتا ہے یا اس طرح، یعنی کبھی انتیس دن اور کبھی تیس دن" (بخاری)

یہ حدیث دراصل فصاحت و بیان کا ایک انداز ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ اس دور میں تمام لوگوں سے زیادہ روشن فکر تھے اور وہ زکوٰۃ، عشر، خراج کا حساب کیا کرتے تھے اور ستاروں کی مدد سے سفر میں سمت کا تعین بھی کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ دراصل چاند کو آنکھ سے دیکھنے کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔

اور فقۂ اسلامی اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کس طرح خلیفہ کی موجودگی رمضان اور عید اور اس کے علاوہ دیگر معاملات میں عدم وحدت کے مسئلے کو حل کرتی ہے: چنانچہ مشہور شرعی قائدہ ہے:

((امر امام یرفع الخلاف))

"امام (خلیفہ) کا فیصلہ اختلاف کو دور کرتا ہے"

اس موقع پر رویتِ ہلال کمیٹی کے معزز علماء کو اس ذمہ داری کی یاد دہانی کرانا بھی ضروری ہے جو کہ اللہ کی طرف سے ان کی گردنوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ حق کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا:

((العلماءُ وَرَثَاءُ الانبیاء))

"علماء نبیوں کے وارث ہیں"

اور انہیں چاہیے کہ وہ حکومت اور اس کی ایجنسیوں کی سرگوشیوں سے خبردار رہیں جو انہیں اور عام لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتی ہیں۔

لہٰذا یہ حکمران ہی امتِ مسلمہ کی عدم وحدت کے ذمہ دار ہیں جو مختلف دنوں پر ماہِ رمضان کا آغاز کرتے ہیں

یہاں اس بات کی یاد دہانی بھی بہت ضروری ہے کہ جب تک خلافتِ راشدہ دوبارہ قائم نہیں ہو جاتی مسلمان عدم وحدت کے مرض میں مبتلا رہیں گے، خواہ یہ رمضان کا موقع ہو یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ یا کوئی بھی اور مسئلہ ہو۔ یہ مخلص خلیفہ ہی ہو گا جو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق رویت ہلال کا اعلان کرے گا:

"... تمام مسلمانوں کے لیے ایک شخص (کی گواہی) ہی کافی ہے"

بلاشبہ یہ مسلمانوں کا خلیفہ ہی ہو گا جو اس بات کو یقینی بنائے گا کہ مسلمان ایک امت کے طور پر روزہ رکھیں اور ایک امت کے طور پر عید منائیں۔

خلافت کا قیام ایک فرض ہے بلکہ فقہا کے نزدیک یہ 'ام الفرائض' ہے یعنی فرائض کی ماں اور مندرجہ بالا مضمون کے ذریعے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ واقعی کئی فرائض کا انحصار اسی فرض پر ہے اور یقیناً خلافت کے قیام کے ذریعے مسلمان ایک مرتبہ پھر ماہِ رمضان، عید اور دیگر معاملات میں عملی طور پر امتِ مسلمہ کی وحدت کو قائم کر سکیں گے۔ اور خلافت کی عدم موجودگی میں زندگی گزارنے کے گناہ کو اپنی گردنوں سے دور کر سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((و من مات و ليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية))

"اور جو کوئی بھی مرا اور اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا"

(مسلم)

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن پہلا شخص جس کا فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہو گا۔ اسے لایا جائے گا اور اللہ اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا: تم نے ان کے بدلے میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں تیری خاطر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ تو اس لئے لڑا تا کہ لوگ کہیں یہ بہادر شخص ہے۔ سو تمہیں بہادر کہا جا چکا۔ پھر اللہ حکم دے گا کہ اسے اس کے چہرے کے بل گھسیٹو اور (جہنم کی) آگ میں پھینک دو۔ پھر وہ شخص ہو گا جس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور قرآن کی تلاوت کی۔ پس اسے لایا جائے گا اور اللہ اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ اللہ کی ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اللہ پوچھے گا: تم نے ان کے بدلے کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس کی تعلیم دی اور قرآن کی تلاوت کی۔ اللہ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ بلکہ تم نے علم اس لئے حاصل کیا تا کہ تمہیں عالم کہا جائے اور تم نے قرآن کی قرآت اس وجہ سے کی تا کہ تمہیں قاری کہا جائے پس ایسا کہا جا چکا پھر اللہ حکم دے گا کہ اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم کی آگ میں پھینک دو۔ پھر وہ شخص ہو گا جسے اللہ نے وسعت دی اور ہر طرح کا مال عطا کیا پس اسے پیش کیا جائے گا۔ اللہ اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اللہ فرمائے گا: تم نے ان نعمتوں کے بدلے کیا عمل کیا۔ وہ شخص کہے گا: میں نے ہر اس راہ میں مال خرچ کیا کہ جس میں مال خرچ کرنا تجھے پسند ہے۔ اللہ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ بلکہ تم نے مال اس لئے خرچ کیا تا کہ لوگ کہیں کہ یہ شخص سخی ہے اور یہ کہا جا چکا۔ پھر اللہ حکم دے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دو"

(مسلم اور نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا)

اسلام کے خلاف پوپ کی ہرزہ سرائی اور اس کا جواب

مغربی استعماری کفار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلنے اور اپنا بغض ظاہر کرنے سے باز نہیں رہتے۔ کچھ عرصہ قبل امریکہ نے قرآن الکریم کی توہین کرنے کی جسارت کی، پھر ڈنمارک میں ایک صحافی نے ایسے کارٹون شائع کیے جس میں رسول اللہ ﷺ کا تمسخر اڑایا گیا تھا اور دیگر یورپی اخبارات اور ریاستوں نے اس صحافی کے اس عمل کی پذیرائی کی۔ اور اب پوپ نے اسلام پر تہمتیں لگانا اور اس کی چوٹی یعنی جہاد کی تحقیر کرنا شروع کر دی ہے۔

اور جس طرح امریکہ نے کہا تھا کہ قرآن کے اوراق کو پھاڑنے اور ان پر نجاست ملنے کے پیچھے یہ نیت نہ تھی کہ قرآن کی توہین کی جائے اور جیسا کہ یورپ نے کارٹونوں کی اشاعت کے بعد کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے تمسخر پر مبنی ان کارٹونوں کی اشاعت اظہارِ رائے کی آزادی ہے۔ اُسی طرح آج پوپ یہ کہہ رہا ہے کہ اس کے گھڑے ہوئے جھوٹ کا اُس سے کوئی تعلق نہیں، اور معاملہ محض مسلمانوں کے فہم کا ہے جو کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ بینیڈکٹ کی بات کو ٹھیک طریقے سے نہ سمجھ سکے۔

یہاں ہمارا ارادہ یہ نہیں کہ ہم اسلام کی سچائی کے حق میں اور پوپ کے جھوٹ کے بارے میں شواہد پیش کریں۔ کیونکہ پوپ کا یہ بیان کہ: ''اسلام عقل کو اہمیت نہیں دیتا اور جہاد (جو اسلام کی چوٹی ہے) تشدد، خون ریزی اور دہشت گردی ہے''، اس بیان میں بذاتِ خود پوپ کے دعوے کی نفی موجود ہے۔ اس بات سے لوگ عام طور پر آگاہ ہیں کہ اسلام کے عقیدے کی بنیاد عقلی یقین ہے۔ اور جہاد مسلمانوں کے جسم میں دوڑتا ہوا خون ہے، یہ دنیا کے ظلم اور اندھیروں کے لیے انصاف اور روشنی کی کرن ہے۔ یہ حقیقت ان علاقوں میں محسوس کی جا سکتی ہے جہاں اسلام فتوحات کے دنوں میں داخل ہوا تھا۔

بلکہ یہاں اس مضمون کے ذریعے دو سوالات دنیا کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں اور دو اہم پیغام دینا مقصود ہیں۔ اور ان چاروں کو ان لوگوں کے سامنے رکھنا چاہیں گے جو فکر و تدبر کرتے ہیں، تاکہ حق اور باطل واضح ہو جائیں اور سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے، تو وہ یہ ہے کہ وہ کیا چیز تھی کہ جس کی وجہ سے وسیع و عریض اسلامی دنیا نے اسلام کو اختیار کیا اور اس پر قائم رہی، جبکہ قرآن نے واضح طور پر بیان کیا ہے: ''دین میں کوئی جبر نہیں''، اور حدیثِ مبارک میں اعلان کیا گیا: ''اور جو کوئی یہودیت یا عیسائیت پر ہے اسے اس کے دین سے ورغلایا نہیں جائے گا''؟ اور وہ کیا چیز تھی کہ جس کی وجہ سے مفتوح علاقوں کے لوگوں نے اپنے دین کو ترک کیا اور فتح کرنے والے مسلمانوں کے دین کو اختیار کر لیا۔ اور پھر یہ مفتوحہ لوگ اس دین پر مضبوطی سے کاربند رہے اور انہوں نے اس دین کو پھیلایا اور فاتحین سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر اور خلوص کے ساتھ اس دین کا تحفظ کیا؟ جبکہ آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ استعماری مغرب اپنی تمام تر طاقت و قوت کو استعمال کرتے ہوئے ایک علاقے پر قبضہ کرتا ہے تاکہ وہاں بسنے والے لوگوں کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ مغرب کی آئیڈیالوجی اور اقدار کو اپنائیں۔ تاہم اُس علاقے کے لوگ دن رات استعماری قابضین پر لعنتیں بھیجتے رہتے ہیں جب تک کہ انہیں قبضے سے نجات حاصل نہیں ہو جاتی اور نہ ہی وہ لوگ اپنا دین تبدیل کرتے ہیں۔

کیا اس کا جواب یہ نہیں وہ علاقے جنہیں اسلام نے فتح کیا، وہاں کے لوگوں کے اسلام کو اختیار کرنے اور اسلام کی حفاظت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہے اور عقل کو مطمئن کرتا ہے۔ یہاں پر یہ واقعہ بیان کرنا چاہیں گے جو کئی لوگوں کے لیے حیران کن ہوگا کہ مراکش کے والی 'محمد ناصر' نے 1213ء میں عباسی خلافت کے دور میں برطانیہ کے بادشاہ جان لیک لینڈ کی اسلام قبول کرنے کی پیشکش کو اس بنا پر مسترد کر دیا کیونکہ مراکش کا والی یہ جان گیا تھا کہ برطانیہ کے بادشاہ کی اسلام میں داخل ہونے کی پیشکش اس وجہ سے ہے کہ وہ اسلامی ریاست کی عظمت و شوکت پر حیران ہے لیکن وہ عقلی طور پر اس بات کا قائل نہیں کہ اسلام ہی برحق ہے!

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے: تو وہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی خلافت قائم ہو چکی ہوتی تو کیا پوپ اسلام اور اس کے عقیدہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنے اور اسلام کی چوٹی یعنی جہاد پر تہمت لگانے کی جرأت کرتا؟ یقیناً نہیں۔ کیونکہ جب اسلامی ریاست خلافت قائم تھی تو اس نے کفار کی طرف سے اسلام پر کسی بھی طرح کے کئے گئے حملے کا وہ منہ توڑ جواب دیا تھا جو اسے رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ یہاں پر کچھ واقعات کی پوپ کو یاددہانی کرانا ضروری ہے جو اسے اسلام کی شان و شوکت اور اس کی عظمت و سربلندی یاد کرائے گی:

1) خلیفہ معتصم کا شہر عموریہ کے ساتھ سلوک، جب اس نے وہاں پر ایک مسلمان عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی پاداش میں وہاں کے کفار کو بدترین شکست دی۔

2) خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے نکفورس کو دیا گیا جواب، جب اس نے نکفورس کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی پر اسے 'روم کے کتے' کے لقب سے مخاطب کیا اور اسے تلوار کی نوک پر سیدھا کیا۔

3) صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں رچرڈ لائن ہارٹ کی بدترین شکست۔

4) فرانس کے بادشاہ لوئی کے ساتھ سلیمان القانونی کا طرزِ عمل، جب دنیا میں اسے پناہ دینے والا صرف مسلمان حکمران ہی تھا۔

5) 1795ء کا وہ امریکہ جو الجزائر کے والی کو جزیہ ادا کیا کرتا تھا۔

6) اور 1901ء میں عبدالحمید دوئم کی طرف سے ہرڈزل اور اس کی پشت پناہی کرنے والے برطانیہ کو

دیا جانے والا جواب، جب اس نے خلیفہ عبدالحمید دوئم سے لاکھوں کی پیشکش کے عوض فلسطین خریدنے کی کوشش کی تو اس کے جواب میں خلیفہ نے فلسطین کو اسلامی ریاست سے کاٹ دیئے جانے کے مقابلے میں اپنے جسم میں خنجر گھونپ دیئے جانے کو زیادہ پسند کیا۔

یہ واقعات پوپ کی یاددہانی کے لیے ہیں اور یہ بھی یاددہانی کے لیے ہے کہ عقل و ہوش (اگر پوپ میں یہ چیز موجود ہے) اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں اس حد تک جانے سے باز رہا جائے کہ اسلام پر جھوٹ باندھا جائے اور اسلام، اس کے عقیدہ، اس کی تہذیب اور اس کی چوٹی کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں۔

پوپ سے معافی کا مطالبہ کرنا فضول اور کم عقلی ہے کیونکہ اس نے جو کچھ کہا وہ غلطی سے یا بلا مقصد یا لاعلمی کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس نے دانستاً اور ہوش وحواس میں یہ الفاظ کہے، جو اشاروں کنایوں میں نہ تھے

جہاں تک دو پیغامات کا تعلق ہے، تو ان میں سے پہلا مسلمانوں کے لیے ہے، خاص طور پر ان کے لیے جو بین المذاہب مکالمے کی مکّارانہ دعوت کے فریب میں آگئے ہیں، جس کی پوپ بھی بات کر رہا ہے۔ کیا بھلا حق اور باطل ایک ہو سکتے ہیں؟ اور کیا روشنی اور تاریکی اکٹھی ہو سکتی ہے؟ یقیناً نہیں کیونکہ حق کی ایک ہی کرن ظلمت کے اندھیرے کو ختم کر دیتی ہے۔ بلکہ اس دعوت کی حقیقت بالکل واضح ہے کہ اس کا مقصد مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی اقدار کو کمزور کرنا اور اسلام کے عقیدہ کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے۔ اس دعوت کا مقصد تحقیق و جائزہ نہیں کہ حق تک پہنچا جائے اور حق کی پیروی کی جائے اور باطل کو رد کیا جائے اور اس سے بچا جائے۔ بلکہ بین المذاہب مکالمے کی دعوت، مکارانہ اور شاطرانہ اسلوب وذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے، اسلام اور اس کے پیروکاروں کے خلاف دعوت دینا ہے۔ اگرچہ وہ اس گمراہ کن دعوت کو مضبوط بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے لیے اپنی کوششیں صرف کر رہے ہیں لیکن اللہ کے اذن سے وہ اپنی کوششوں میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط وَ لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ﴾

''ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، اور جھوٹ نابود ہو جاتا ہے۔ اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے''

(الانبیاء : 18)

اور جہاں تک دوسرے پیغام کا تعلق ہے، تو یہ پوپ کے لیے اور مغرب کے ان تمام حکمرانوں کے لیے ہے جنہوں نے پوپ کی تقریر کی پذیرائی کی اور ان تمام لوگوں کے لیے بھی ہے جو اسلام اور خاتم النبیین کی توہین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کو اپنے ذمے لیا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

''بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' (الحجر: 9)

پس جھوٹ، تہمت زنی یا اسلام کے بارے میں دھوکہ دہی، اسلام کے کسی حصّے کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اسلام باقی رہے گا، کفر کے اندھیروں کو دور کرتا رہے گا اور اس کی روشنی کو بجھایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ خالقِ کائنات نے ہمیں اس بات سے آگاہ کر دیا ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ ط وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو'' (الصف: 8)

یہاں پر یہ بات بھی واضح کیا جانا بہت ضروری ہے کہ پوپ سے معافی کا مطالبہ کرنا فضول اور کم عقلی ہے کیونکہ اس نے جو کچھ کہا وہ غلطی سے یا بلا مقصد یا لاعلمی کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس نے دانستاً اور ہوش و حواس میں یہ الفاظ کہے، جو اشاروں کنایوں میں نہ تھے بلکہ بالکل واضح طور پر براہِ راست اسلام کے متعلق تھے، لہٰذا معافی کا کوئی فائدہ نہیں۔

بلکہ یہ بات فرض ہے کہ اگر کوئی بھی شخص جو اسلام، اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی توہین کرے یا اسلام کی چوٹی یعنی جہاد کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرے تو اسے اسلامی سرزمین پر آنے کی اجازت نہ دی جائے اور نہ ہی اسے خوش آمدید کہا جائے۔

یہاں پر مسلمانوں کے لیے یہ یاددہانی بھی ضروری ہے کہ وہ متحرک ہو جائیں یہاں تک کہ اسلام کے پاس اس کی ریاست یعنی خلافتِ راشدہ لوٹ آئے، جو اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ دشمن سے کیسے ملاقات کی جاتی ہے، اسلامی سرزمین اور اس کی فضاؤں کی کیسے حفاظت کی جاتی ہے، اسلامی علاقوں کا کیسے دفاع کیا جاتا ہے اور اسلام کے عقیدہ، اس کی تہذیب اور اس کی چوٹی کو کیسے رفعت و بلندی عطا کی جاتی ہے۔

﴿وَ اللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

''اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' (یوسف : 21)

☆☆☆

عبداللہ بن عمرو ؓ روایت کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''کونسے لوگ بہترین ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام وہ اشخاص جو مخموم القلب ہیں اور زبان کے سچے ہیں'' انہوں نے کہا: ''ہم جانتے ہیں کہ زبان کا سچا ہونا کیا ہے لیکن یہ مخموم القلب کیا چیز ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرنے والا اور پاک قلب جو گناہ، ظلم، نفرت اور حسد سے پاک ہو''

(ابن ماجہ)

سرمایہ دارانہ نظام کی فاسد آئیڈیالوجی پر مبنی حکومتِ پاکستان کی معاشی پالیسیاں

حکومتِ پاکستان نے بیان کیا تھا کہ 2006-2007 کے بجٹ میں اسے جس چیز کی سب سے زیادہ فکر ہے، وہ پیداوار میں اضافے کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ 16 مئی 2006 کو پری بجٹ تقریر کے دوران وزیراعظم کے اقتصادی مشیر ڈاکٹر سلمان شاہ نے اس بات کا اعلان کیا: ''ہمیں درپیش سب سے بڑا چیلنج پیداوار میں اضافے کو برقرار رکھنا ہے۔'' حکومت اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ پیداوار میں اضافہ غربت میں کمی کا باعث بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ 11 مئی 2006 کو صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے اعلان کیا کہ: ''ملک میں بیرونی سرمایہ کاری کی مسلسل آمد پاکستان کو اپنی پیداوار کے اضافے کو برقرار رکھنے اور غربت کو کم کرنے میں مدد دے گی''۔ تاہم پاکستان کے سرمایہ دارانہ نظام نے دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کر دیا ہے اور باقی معاشرے کا جینا دوبھر کر دیا ہے کیونکہ یہ نظام دولت کو تقسیم کرنے میں انتہائی ناکام ہے اور فی الحقیقت پاکستان کا نیا بجٹ بھی گذشتہ تمام بجٹوں کی مانند ملکی معیشت کو بہتر بنانے میں ناکام رہے گا۔

حکومت کی تین بڑی سرمایہ دارانہ پالیسیاں یعنی عوامی ضروریات کی نج کاری، ٹیکسوں میں اضافہ اور آزاد تجارت، چند لوگوں کے مفادات کی خاطر پاکستان کی معیشت کو مجموعی طور پر کمزور بنا رہی ہیں۔ اور صرف اسلام کا معاشی نظام ہی دولت کی تقسیم کو یقینی بنائے گا کیونکہ صرف اسلام کا نظام ہی لوگوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ دوسروں کو محروم کیے بغیر معاشی سرگرمی میں سے اپنا حصہ وصول کر سکیں۔ آئیے یہاں پر ہم ان پالیسیوں کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں:

عوامی ضروریات کی نج کاری کے ذریعے توانائی کے وسائل کے نئے نجی مالکان پاکستان کی تمام تر معیشت کو نقصان پہنچاتے ہوئے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ نج کاری کا عمل نئے نجی مالکان کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ توانائی کی پیداوار کو اپنے ذاتی منافع کو زیادہ سے زیادہ بنانے کے لیے بروئے کار لائیں اور توانائی کی قیمتوں میں بتدریج اضافہ کریں، جس کے نتیجے میں زراعت، صنعت اور عام ضروریاتِ زندگی کے لیے توانائی مزید مہنگی ہو جاتی ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ نمبر 26262-PAK میں سرمایہ داروں کے لیے نج کاری کو پُرکشش بنانے کی خاطر توانائی کی قیمتوں میں اضافے پر بات کرتے ہوئے اس بات کی توثیق کی گئی ہے کہ: ''2000ء کے وسط سے اب تک درمیانی آمدنی والے صارفین کے لیے توانائی کی اصل قیمت میں 40 فی صد اضافہ ہو چکا ہے''۔ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس اسلام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ توانائی کے وسائل سے تمام تر معیشت فائدہ اٹھائے کیونکہ یہ وسائل عوامی ملکیت کے تحت آتے ہیں اور ان کی نجکاری کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((المسلمون شرکاء فی ثلاث؛ فی الماء والکلا والنار)) ''تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراگاہیں اور آگ'' پس عوامی ملکیت میں شامل اشیاء کا انتظام اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تمام کی تمام معیشت کو فائدہ پہنچے۔ یوں ریاستِ **خلافت** اس قابل ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو ایسی قیمت میں عوامی ضروریات مہیا کرے جو اُن کی دسترس میں ہوں، جس سے زراعت اور صنعت کی نشوونما میں تیزی آتی ہے اور گھریلو سہولیات سے غیر ضروری بوجھ دور ہو جاتا ہے۔

کسٹم ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹی اور فیول سرچارج کے نتیجے میں
پٹرول اور ڈیزل مزید مہنگا ہو جاتا ہے جو ملکی پیداوار اور نقل
وحمل پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے

ٹیکسوں میں اضافے کے نفاذ کے ذریعے حکومت محصولات سے حاصل ہونے والی آمدنی میں اضافہ کرتی ہے، لیکن اس کی جو قیمت چکانی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ پورے ملک میں اقتصادی سرگرمی کا گلہ گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ جی ایس ٹی کا نفاذ بنیادی ضروریات مثلاً خوراک اور ادویات کی خریداری کو ماند کر دیتا ہے۔ کسٹم ڈیوٹی اور ایکسائز ڈیوٹی برآمدات کا گلہ گھونٹ دیتی ہے نیز کسٹم ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹی اور فیول سرچارج کے نتیجے میں پٹرول اور ڈیزل مزید مہنگا ہو جاتا ہے جو ملکی پیداوار اور نقل وحمل پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس اسلام نے محصولات کا ایسا نظام عطا کیا ہے جو معاشی سرگرمی کا گلہ نہیں گھونٹتا۔ اضافی دولت پر لاگو ہونے والی زکوٰۃ یا زمین کی پیداواری صلاحیت کے مطابق عائد ہونے والا اخراج یا عوامی ملکیت سے حاصل ہونے والے اموال، لوگوں پر بوجھ نہیں بنتے۔ کسٹم ٹیکس صرف ان بیرونی تاجروں سے اسی مقدار میں وصول کیا جاتا ہے جن کی حکومتیں اسلامی ریاست کے تاجروں پر ٹیکس عائد کرتی ہیں۔ ریاستِ **خلافت** اپنے باشندوں پر کسٹم ٹیکس بالکل عائد نہیں کرتی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ یہ امر بیرونی تجارت کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات مسلمانوں پر واضح کردی ،جب آپ ﷺ نے فرمایا: ((لا یدخل الجنة صاحب مکس)) ''کسٹم ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا''۔ اسلام میں ٹیکس صرف اس وقت عائد کیا جاتا ہے جب شرع کے متعین کردہ اموال، اُن امور کو سرانجام دینے کے لیے کافی نہ ہوں جو مسلمانوں پر فرض ہیں اوران میں تاخیر نہیں کی جاسکتی مثلاً جہاد یا ایمرجنسی کی حالت میں جیسا کہ زلزلہ یا عوامی ضروریات کی فراہمی کے لیے مثلاً سکولوں اور ہسپتالوں کی تعمیر کے لیے۔ یہ ایمرجنسی ٹیکس صرف کسی شخص کی اضافی دولت پر عائد کیا جاتا ہے، جب وہ شخص اپنی بنیادی ضروریات اور اضافی آسائشوں کو اپنے معیار زندگی کے مطابق حاصل کر چکا ہو۔

آزاد تجارت کے ذریعے ترقی یافتہ معیشتیں پوری دنیا کی پسماندہ معیشتوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور انہیں مزید کمزور بناتی ہیں؛ اور پاکستان اس سے مستثنیٰ نہیں۔ پاکستان مغرب کی ترقی یافتہ معیشتوں کو سستی کپاس برآمد کر رہا ہے لیکن وہ بنیادی ضرورت کی اشیاء مثلاً چینی درآمد کر رہا ہے۔ صنعت کے میدان میں پاکستان کھیلوں کا سستا سامان اور سرجری کے آلات ترقی یافتہ مغربی معیشتوں کو برآمد کر رہا ہے مگر وہ مہنگی مشینری اور انجن درآمد کر رہا ہے اگرچہ ایسی مشینری اندرون ملک تیار کرنا مضبوط معیشت کے قیام کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس اسلام کی معیشتی پالیسی اقتصادی ترقی کو یقینی بناتی ہے۔ اسلام زمین سے محروم لوگوں کو زمین کی ملکیت حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ((من احیا ارضاً میتة فھی لہ)) ''جس نے بنجر زمین کو کاشت کرلیا وہ اس کی ملکیت بن گئی۔'' صنعت کے میدان میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اسلامی ریاست صنعتی پیداوار میں مستعد ہوجائے اور اس کے بعد صدیوں تک ریاستِ **خلافت** سائنس، ٹیکنالوجی اور صنعت کے میدان میں پوری دنیا پر چھائی رہی۔

یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ سال پر سال گزرتے جاتے ہیں، ایک بجٹ کے بعد دوسرا بجٹ آتا ہے اور حکومت پاکستان کی عوام کو اس بات پر مطمئن کرنے کے نت نئے طریقے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہے کہ پاکستان کی سرمایہ دارانہ معیشت اب ترقی کی پٹری پر چڑھنے ہی والی ہے اور بہتر وقت اب زیادہ دور نہیں۔ تاہم سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت یہی ہے کہ یہ دولت کو تمام معاشرے سے سمیٹ کر چند ہاتھوں میں مرکوز کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ مغرب میں صدیوں سے سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ نیز جی ڈی پی اور فی کس آمدنی میں خاطر خواہ اضافے کے باوجود دولت صرف چند ہاتھوں میں سمٹی ہوئی ہے۔ امریکہ کی زیادہ تر دولت کے مالک گنتی کے چند افراد ہیں۔ انتہائی امیر سرمایہ داروں کا ایک قلیل گروہ جو توانائی اور بھاری صنعت کا مالک ہے، امریکہ کی معیشت پر حاوی ہے۔ جبکہ اندرونِ ملک بیروزگاری اور پُر مشقت زندگی امریکہ میں ایک عام بات ہے۔ اور اگرچہ مغربی معیشتیں دیگر اقوام کے وسائل اور منڈیوں سے بے پناہ نفع حاصل کر رہی ہیں، جیسا کہ اس وقت اسلامی دنیا کی صورتحال ہے، تاہم سرمایہ دارانہ نظام نے بذاتِ خود مغرب کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ بے شک یہ سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی ہی ہے کہ جس نے ہمیشہ ان مغربی ممالک کو اس بات پر اُبھارا کہ وہ نوآبادیاتی نظام کے ذریعے دیگر اقوام کی دولت چوسیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا کی کچھ اعلیٰ وسائل یافتہ اقوام بھکاریوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

> **سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت یہی ہے کہ یہ دولت کو تمام معاشرے سے سمیٹ کر چند ہاتھوں میں مرکوز کر دیتا ہے**

تو پھر کس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں اسلامی دنیا کے لیے اب بھی کوئی امید باقی ہوسکتی ہے؟

صرف اسلام اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وسائل سے مالا مال اسلامی دنیا اقتصادی لحاظ سے ترقی کرے۔ اسلام ملکیت اور شراکت سے متعلق اپنے احکامات کے ذریعے ہر شخص کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ دوسروں کے حصے کو غصب کیے بغیر قوم کی دولت میں سے اپنا حصہ حاصل کرسکے۔ اسلام دولت کو لوگوں کے ایک محدود گروہ کے ہاتھوں میں مرکوز کرنے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

''ایسا نہ ہو کہ (مال) تم میں سے امیر لوگوں کے درمیان ہی گردش کرتا رہے''

لہٰذا معیشت میں بہتری صرف ریاستِ **خلافت** کو دوبارہ قائم کرنے سے ہی ممکن ہے تاکہ اسلام کا اقتصادی نظام پوری دنیا کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کے فساد کا متبادل فراہم کرسکے، جس نے چند لوگوں کی خاطر دنیا کے لوگوں کی اکثریت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں اس آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیاوی حصے کو نہ بھول اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کرتا رہ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ رہا کر، بے شک اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا''

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''متکبر لوگ قیامت کے دن چھوٹے کیڑوں کی مانند انسانوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے اور انہیں ہر سمت سے ذلت ڈھانپ لے گی...'' (بخاری)

خالص اسلام پر چلنے کے صحیح اصول

نوید بٹ

چند ماہ قبل حکومت پاکستان کے زیر سرپرستی ہولی کا تہوار منایا گیا اور ہم نے اخباروں میں مشاہد حسین اور چودھری شجاعت کی تصاویر دیکھیں جن میں انہوں نے فخریہ انداز میں اپنی پیشانیوں پر رنگ لگا رکھا تھا۔ اس پر عوام الناس کے ایک گروہ نے اعتراض کیا کہ اس ہندوانہ رسم اور تہوار کو منانے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ آخر مذہبی رواداری اور ہندو مسلم بھائی چارے کے پیشِ نظر ایک تہوار منا ہی لیا تو اس میں کیا حرج ہے۔ اسی طرح بسنت کے حوالے سے عوام میں کافی کنفیوژن پائی جاتی ہے۔ جہاں ایک طرف عوام کا ایک بڑا حصہ اسے اپنے مذہب اور روایات سے متصادم ہونے کے باعث پسند نہیں کرتا۔ وہاں دوسری طرف ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اشتہاری مہموں اور سرکاری سرپرستی سے متاثر ہو کر بے شمار لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسلام میں خوشی منانے یا پتنگ اڑانے کی کوئی ممانعت نہیں تو پھر بسنت منانا کیونکر حرام ہو گیا۔ یہی صورتحال کئی دوسرے امور میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح حال میں امریکہ میں آمنہ ودود کی امامت میں ادا ہونے والی مخلوط نماز جمعہ شدومد سے زیر بحث رہی۔ اس گروہ کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ عورت کی امامت کی ممانعت میں کوئی صریح آیت یا حدیث وارد نہیں ہوئی لہٰذا ایسا کرنا جائز ہے۔ جبکہ عامۃ الناس اس فعل کو اس لئے حرام سمجھتے ہیں کیونکہ قرآن وسنت سے عورت کی امامت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح سٹاک ایکسچینج کو ان لوگوں نے جائز ٹھہرا لیا ہے جن کا کہنا ہے کہ اسلام میں چونکہ سٹاک کے بارے میں واضح نہی موجود نہیں، اس لئے یہ اقتصادی غبارہ یقیناً حلال ہوگا۔ یہی معاملہ انٹیلیکچوئیل پراپرٹی رائٹس اور پیٹنٹ جیسے کئی مغربی قوانین کا بھی ہے جنہیں حکومت نے محض اس لئے اپنایا اور لاگو کیا ہے کہ وہ ''قرآن وسنت کی کسی واضح نص کے خلاف نہیں''۔ ایک گروہ کے نزدیک ٹی وی، ڈش، کیبل انٹرنیٹ اور دوسری جدید ایجادات کافروں اور شیطان کے ہتھیار ہیں جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے اور اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ تمام اشیاء جائز ہیں اور اسلامی حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی اور اسلام کی تبلیغ کے مقاصد کے لیے استعمال کی جا سکتی ہیں۔

مذکورہ بالا مسائل اور ان جیسے دیگر مسائل پر امت فکری طور پر منقسم اور انتشار کا شکار ہے جس کی وجہ سے ہم بحیثیت قوم آگے بڑھنے کی بجائے دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر اس انتشار اور امت کے مسائل کا حل کیا ہے؟ اسلام میں کن اشیاء کا استعمال حرام ہے اور کون کون سے افعال مردود ہیں؟ آخر اسلام ہمیں اشیاء اور افعال کے بارے میں کیا اصول فراہم کرتا ہے جس کی بدولت ہم سائنسی ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا اسلامی تشخص بھی برقرار رکھ سکیں؟ نیز یہ کہ ہم مغرب سے کیا من وعن لے سکتے ہیں اور کیا کچھ لینا قطعاً حرام ہے؟ یقیناً اس جواب کے لئے کسی بنیادی ماخذ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور ہمارے لئے یہ بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہی ہیں۔ پس آیئے قرآن وسنت کی روشنی میں ان مسائل کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اسلام کس طرح ہماری کنفیوژن دور کرتا اور ایک واضح حل فراہم کرتا ہے۔

شریعت اشیاء اور افعال کے مابین فرق کرتی ہے اور ان کے متعلق دو مختلف اصول بیان کرتی ہے۔ یہ دونوں اصول کلیدی حیثیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ اسلامی نظام کے بارے میں ہمارے Paradigm اور Frame of Mind کو متعین کرتے ہیں۔ فقہاء نے ان اصولوں کی تعریف کچھ اس انداز میں کی ہے:

۱) الاصل فی الاشیاء الاباحۃ:

یعنی تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں سوائے ان کے جنہیں قرآن یا حدیثِ نبوی ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو۔

۲) الاصل فی الافعال التقید بالحکم الشرعی:

یعنی تمام افعال نہ تو اصلاً مباح ہیں نہ حرام بلکہ اس میں شارع (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے احکام کو تلاش کر کے ان پر عمل درآمد کرنا فرض ہے۔ کسی بھی فعل پر فرض، مندوب (مستحب)، حرام، مکروہ یا مباح میں سے کوئی ایک حکمِ شرعی لاگو ہوتا ہے جس کو شرعی دلیل کی بنا پر جانا جاتا ہے۔ ایک عمل مباح بھی صرف اسی وقت گردانا جاتا ہے جب اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار شارع نے مکلّف کو تفویض کیا ہو۔ یہ سمجھنا کہ کسی بھی عمل سے متعلق شریعت خاموشی اختیار کر لے تو وہ خود بخود مباح ہو جاتا ہے درحقیقت غلطی پر مبنی ہے۔ کیونکہ شریعت کسی بھی عمل پر خاموش نہیں۔

اس سے پہلے کہ میں ان دونوں اصولوں کے تفصیلی دلائل پیش کروں ان اصولوں کی اہمیت سمجھنا بہت ضروری ہے۔ گو کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان ان اصولوں کے بارے میں کسی ابہام کا شکار نہ تھے لیکن گزشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران مسلمانوں نے ان دونوں اصولوں میں تفریق نہ کر کے بے حد نقصان اٹھایا۔ اکثر لوگوں نے افعال کا اصول اشیاء پر لاگو کر کے ہر نئی شے پر حرمت کا لیبل لگا دیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ان اشیاء کی حلت کے بارے میں چونکہ قرآن وسنت سے دلیل نہیں ملتی لہٰذا یہ سب حرام ہیں۔ چنانچہ لاؤڈ سپیکر، پرنٹنگ پریس اور ٹیلی فون وغیرہ جیسی اشیاء بھی حرام قرار پائیں۔ یوں اسلام کو ایک رجعت پسندانہ اور جامد مذہب بنا دیا گیا جس میں ٹیکنالوجی اور ایجادات کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اسی غلطی کو بنیاد بنا کر مشرف جیسے سیکولر حضرات آج بھی اسلام پر طعن وتشنیع کے تیر چلاتے اور اسے فرسودہ قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور جماعت نے اشیاء کا اصولِ فقہیہ افعال پر بھی منطبق کر دیا جس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ معیشت، عدالتی نظام، مغربی طرز حکمرانی وغیرہ کو چند کاسمیٹک تبدیلیوں کے بعد اسلامی قرار دے کر قبول کر لیا گیا۔ یوں اسلام کو محض ایک

مذہب بنا کر سرمایہ دارانہ نظام کے پہلو میں ایک مؤدب غلام بنا کر کھڑا کر دیا گیا جس کے پاس اپنا کوئی اقتصادی، حکومتی، عدالتی، معاشرتی نظام نہ تھا بلکہ اس کا کام ہر سرمایہ دارانہ قانون اور اصول پر یہ کہہ کر ''حلال'' کی مہر ثبت کرنا تھا کہ قرآن وسنت میں اس مغربی قانون کے بارے میں کوئی صریح ''نہی'' وارد نہیں ہوئی۔ یہ وہی ''پرامن'' اور ''compatible'' اسلام ہے جو موجودہ گلوبلائزیشن کے دور میں سرمایہ دارانہ نظام اور امریکا کی ضرورت ہے۔ اس ''compatible اسلام'' سے اس امر کا تقاضا کرنا کہ وہ موجودہ ورلڈ آرڈر کے مقابلے میں انسانیت کو کوئی اور آرڈر یا نظام فراہم کرسکتا ہے، دیوانے کا خواب ہے۔

اسلام کو رجعت پسندی اور مغربیت کی مذکورہ بالا انتہاؤں سے بچانے کے لئے یہ امر نہایت ہی ضروری ہے کہ ہم اشیاء اور افعال سے متعلق اصولِ فقہیہ کو بغور سمجھیں اور ان اصولوں کا اطلاق ان کے اپنے اپنے دائرہ کار میں کریں۔ آیئے اب ان دونوں اصولوں کا بغور جائزہ لیں اور دیکھیں کہ فقہاء نے ان اصولوں کو کن آیات اور احادیث سے اخذ کیا ہے۔

پہلے اصول کے مطابق عمومی طور پر تمام اشیاء انسانوں کے تصرف اور استعمال کے لیے مباح کردی گئی ہیں سوائے وہ جن کے بارے میں شریعت نے نہی بیان کردی ہو۔ اس اصول کو درجہ ذیل آیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ مثلاً کئی آیات قرآنی اجمالاً اشیاء کا مباح (جائز) ہونا بیان کرتی ہیں۔ مثلاً ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعاً﴾ ''وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لیے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب'' (البقرۃ:29) بعض آیات میں عمومی طور پر اباحت بیان کی گئی ہے: ﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظٰهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ ''کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کردیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کردی ہیں'' (لقمان:20) مزید ارشاد ہے: ﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ ''اور برسایا آسمان سے پانی پھر اس (پانی) کے ذریعے پھلوں کو بطور غذا تم لوگوں کے واسطے نکالا'' (البقرۃ:22) اور فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ ''آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت کو جس کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی طیب چیزوں کو، کس شخص نے حرام کیا ہے'' (الاعراف:32)

> **اسی طرح اسلام میں نکاح کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے جبکہ آگ کے گرد سات پھیرے لگا کر شادی کرنے کی ممانعت میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا۔ تو کیا اس طریقے سے نکاح کرنا جائز سمجھا جائے گا؟**

البتہ بعض اشیاء کو مجموعی اباحت کے حکم سے مستثنیٰ کرکے حرام ٹھہرایا گیا ہے مثلاً ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے تو تم پر حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے لیے نامزد کردیا ہو'' (البقرۃ:173) مزید ارشاد ہے: ﴿قُلْ لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّماً عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ إِلَّآ أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَماً مَّسْفُوْحاً﴾ ''آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں، کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے، کوئی حرام غذا پاتا نہیں مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو'' (الانعام:145) چنانچہ تمام ملموس اشیاء (Tangible objects) اور ایجادات مثلاً ٹی وی، ڈی وی ڈی، کلون شدہ جانور اور پودے وغیرہ مباح ہیں اور انہیں کسی بھی قوم اور ملک سے اخذ کیا جاسکتا ہے سوائے ان اشیاء کے، جن کے بارے میں قرآن وسنت میں نہی وارد ہوئی ہو۔ پس ہم اشیاء میں سے مجسموں، بتوں، خمر اور خمر سے بننے والی اشیاء وغیرہ کو نہیں اپنا سکتے کیونکہ ان کے بارے میں نہی موجود ہے۔ اسی طرح ہر وہ شئے، رواج یا فیشن جو کسی اور مذہب، نظریے یا قوم کے ساتھ خاص ہو وہ بھی حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اپنانا حرام ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ ہے: ((من تشبه بقوم فهو منهم)) (ابوداؤد) ''جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے'' چنانچہ اس حدیث کے مطابق ہر شئے جو اصلاً مباح تھی اب اس لئے حرام قرار پاتی ہے کیونکہ وہ کسی قوم، مذہب یا تہذیب کی نشانی یا پہچان بن گئی ہو۔ چنانچہ ماتھے پر کوئی رنگ لگانا اصلاً (originally) مباح ہے لیکن چونکہ یہ ہندوؤں کی مذہبی رسوم کا حصہ ہے اور صدیوں سے ان کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے اس لئے حدیث کی رو سے مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا حرام ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں کے لئے ماتھے پر تلک لگانا یا مانگ میں سندور بھرنا حرام ہے۔ اسی طرح صلیب جیسی ملموس شئے کو پہننا یا گھر میں لٹکانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ عیسائیوں کے عقیدے سے نکلتی ہے اور ان کے لئے خاص ہے۔

البتہ اشیاء سے متعلق عمومی اباحت کا یہ قاعدہ فقہیہ افعالِ انسانی پر منطبق نہیں ہوتا۔ افعال سے متعلق قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ ہر فعل کرنے سے پہلے اس کے بارے میں شرعی حکم سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اس حکم پر عمل کیا جائے گا۔ قرآن میں بیشتر آیات میں اللہ نے مسلمانوں کو اللہ کے احکامات پر سختی سے عمل کرنے اور غیر اللہ کی اتباع سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ نیز ایسی کوئی آیت نہیں جو افعال کی عمومی اباحت پر دلالت کرتی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''لہٰذا آپ ﷺ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں'' (المائدۃ:48) اور ارشاد باری ہے:

﴿يُرِيدُونَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ "اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ اس (غیر اللہ) کا انکار کر دیں" (النساء:60) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شریعت اسلامی کے علاوہ کسی اور نظریے یا مذہب سے کچھ اپنانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ "(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں" (النساء:65) اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس چیز کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور ہر اس کام سے رک جانے کا حکم دیا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ "اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کر لو اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ" (الحشر:7) اس آیت میں "ما" عموم کے لیے ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کو اختیار کریں اور ہر اُس چیز سے باز رہیں، جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور آیت کا یہ بھی مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکامات کے علاوہ کسی اور نظریے، قانون یا مذہب سے کسی حکم کو نہ اپنایا جائے۔ ان آیات کے علاوہ احادیث نبی ﷺ بھی مسلمانوں کو بڑی سختی کے ساتھ ان تمام افعال اور قوانین سے دور رہنے کا حکم دیتی ہیں جن کے کرنے کا حکم قرآن وسنت میں وارد نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ومن أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ)) (مسلم) "جو کوئی ہمارے حکم (دین) میں کوئی ایسا حکم (قانون) داخل کرتا ہے جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ (قانون) مردود ہے" اور فرمایا: ((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ)) (مسلم) "جو کوئی بھی ایک ایسا عمل کرے جس کے (کرنے سے متعلق) ہمارا حکم نہ ہو، تو وہ (عمل) مردود ہے"۔ نیز فرمایا: ((كُلُّ عَمَلٍ لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) "ہر وہ عمل جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ مردود ہے"۔ نیز فرمایا:

((فما بال رجال يشترطون شروطاً ليست في كتاب الله؟ ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل.)) "لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں؟ جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہوگی وہ باطل ہوگی" (بخاری و مسلم) ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ کوئی عمل جس کے کرنے سے متعلق قرآن وسنت سے دلیل نہ ملتی ہو اسے کرنا حرام ہے۔ نیز ایسی شرائط عائد کرنا جن کا وجود قرآن وسنت میں نہ ہو مردود ہے۔ اسی طرح کسی اور نظام یا نظریے سے قوانین اخذ کر کے انہیں اسلامی نظام میں شامل کرنا بھی حرام ہے۔ چنانچہ اسلام کسی عمل کے کرنے کی اجازت صرف اسی وقت دیتا ہے جب قرآن وسنت میں اس کے حق میں صریح یا عمومی دلیل موجود ہو۔ بصورت دیگر وہ عمل رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق مردود (حرام) ہوگا۔ لہٰذا ان احادیث سے معلوم ہوا کہ "نہی" کی عدم موجودگی خود بخود کسی فعل کو مباح نہیں بنا دیتی۔ انہی آیات اور احادیث کی مدد سے فقہاء نے افعال کے لئے یہ اصول اخذ کیا کہ تمام افعال نہ تو اصلاً مباح ہیں نہ حرام بلکہ ہر فعل کے لئے شارع (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے احکام کو تلاش کر کے اس پر عملدرآمد کرنا فرض ہے۔

یہاں پر یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر ہر عمل کے لئے دلیل چاہئے تو پھر چلنے پھرنے کھانے پینے یا اس جیسے اعمال کے لئے بھی کیا دلائل موجود ہیں؟ یقیناً ان کے لئے بھی شریعت میں دلائل موجود ہیں؟ درحقیقت ان تمام افعال کو 'افعال جبلّیہ' کہا جاتا ہے اور یہ سب بھی اس لئے حلال ہیں کیونکہ شریعت نے عمومی دلائل کے ذریعے انہیں حلال قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ "کہو زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ ان کا کیا حشر ہوا جنہوں نے حق کو جھٹلایا" (الانعام: 11) نیز فرمایا:

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ "کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو" (الاعراف: 31) یہ اور ان جیسی دیگر آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کھانے پینے، چلنے پھرنے اور دیکھنے سننے جیسے تمام افعال انسانی جبلت کا حصہ ہیں اور یہ سب کے سب مباح ہیں۔ نیز یہ تمام جبلی افعال خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر سکوت فرمایا جو ان کے مباح ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔ یہی معاملہ دیگر تمام افعال کا ہے جن میں خرید وفروخت، شراکت، شادی بیاہ، تجارت، خلیفہ کا چناؤ وغیرہ شامل ہیں جن کے احکامات بھی قرآن وسنت میں وارد ہوئے ہیں۔ ان احکامات سے ہٹ کر کوئی اور طریقہ کار یا قوانین اپنانا شرعاً حرام ہے۔

اسی طرح وہ تمام افعال یا رواج جو اصلاً حلال تھے وہ بھی اس صورت میں حرام ٹھہریں گے اگر وہ کسی خاص تہذیب، مذہب یا نظریے سے پھوٹتے ہوں یا ان کی پہچان سمجھے جاتے ہوں۔ کیونکہ حدیث مبارکہ ہے: ((من تشبه بقوم فهو منهم)) (ابوداؤد) "جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے"۔ چنانچہ پتنگ اڑانا یا رنگوں کے ساتھ کھیلنا حلال ہے۔ لیکن بسنت کے مخصوص دنوں میں بطور تہوار پتنگ اڑانا ہندوؤں کے ساتھ مشابہ ہونے کے زمرے میں آئے گا لہٰذا یہ عمل ان مخصوص دنوں میں حرام ٹھہرے گا۔ اسی طرح ہولی کے دنوں میں رنگوں سے کھیلنا بھی حرام ہوگا۔ یہی کچھ نیو ائیر، کرسمس، ویلنٹائن ڈے، ہالووین وغیرہ منانے کا معاملہ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایسے مباح اعمال کرنا جن کا تعلق کسی مذہب یا تہذیب سے خاص نہ ہو اور اسے مختلف قومیں بلاتخصیص کرتی ہوں، حلال ہے چاہے سب سے پہلے اسے کسی کافر ہی نے کیا ہو مثلاً باسکٹ بال یا کرکٹ کھیلنا، خلاء کا سفر، جہاز یا گاڑی کا استعمال، پینٹ شرٹ یا جیکٹ کا پہننا وغیرہ۔

صحابہؓ افعال سے متعلق اصولِ فقہیہ کو سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ ہر نئے فعل کو مباح سمجھنے کی بجائے اس کے بارے میں آپ ﷺ سے حکم دریافت فرماتے۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی اس وقت تک خاموشی اختیار فرماتے جب تک کہ وحی کے ذریعے انہیں اللہ کا حکم معلوم نہ ہو جاتا۔ نیز اس دوران صحابہؓ بھی اس فعل سے اجتناب برتتے۔ صحابہؓ اس قدر اس اصول پر کاربند تھے کہ انہوں نے ایک سائنسی مسئلے (یعنی کھجوروں کی افزائش کے لیے کی جانے والی Cross-pollination) پر بھی حضور ﷺ سے

رائے طلب کی اور آپ ﷺ کی ذاتی رائے کو بھی حکم شرعی سمجھ کر اس پر عمل کیا۔ لیکن ایسا کرنے سے کھجوروں کی فصل اچھی نہ ہوئی۔ اگلے سال جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فصل کا حال بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((إنما أنا بشر مثلکم، إذا أمرتکم بشيءٍ من أمر دینکم فخذوا به، وإذا أمرتکم بشيء من أُمور دنیاکم فإنما أنا بشر)) ''بے شک میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں، اگر میں تمہیں کسی ایسی شے کا حکم دوں جو تمہارے دینی امور (عقائد، نظام، معاملات وغیرہ) سے متعلق ہو تو اسے لے لو اور اگر میں تمہیں کسی ایسی شے کا حکم دوں جو تمہارے دنیاوی امور سے متعلق ہو تو پھر بے شک میں انسان ہی ہوں'' (مسلم)

یہاں ''دینی امور'' سے مراد معیشت، حکومت، عدالت غرض انسانی تعلقات اور عقائد کا احاطہ کرنے والے تمام پہلو ہیں جبکہ ''دنیاوی امور'' سے مراد سائنس، ٹیکنالوجی اور پروڈکشن ہے جیسا کہ مذکورہ بالا کھجوروں کی افزائش (Cross-pollination) کا معاملہ تھا۔ ان کے علاوہ انتظامی امور سے متعلق قوانین (Administrative Laws) بھی ''دنیاوی امور'' کے زمرے میں آتے ہیں مثلاً ٹریفک کے قوانین، مینجمنٹ کے اصول، اکاؤنٹنگ سسٹم وغیرہ۔ شریعت ان کا کہیں سے بھی اخذ کرنا مباح قرار دیتی ہے سوائے یہ کہ وہ شریعت سے متصادم ہوں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اہل فارس سے دیوان کا نظام اپنایا جس پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔ چنانچہ تمام سائنسی علوم مثلاً طب، انجینیئرنگ، ریاضی، فلکیات، کیمیا، فزکس، زراعت، صنعت، مواصلات، بحری علوم، جغرافیہ اور پیداوار کی بڑھوتری کے علم وغیرہ کو کسی بھی قوم یا ملک سے اپنانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ علوم آفاقی ہیں اور ان کا کسی بھی مذہب یا نظریے سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ان کو اپنانا اُس وقت تک جائز ہے جب تک یہ کسی اسلامی حکم کے خلاف نہ ہوں۔ چنانچہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نظریہ کے مطابق انسان بندر کی ارتقائی شکل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ ''اور انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس کی نسل کو حقیر پانی سے پیدا کیا'' (السجدۃ: 7-8)

اگر ہم ایک لمحے کے لئے اس غلط اصول کو قبول کرلیں کہ ''ہر وہ عمل جس کے خلاف قرآن و سنت میں نہی موجود نہ ہو مباح ہوتا ہے'' تو پھر اسلام کی شکل مکمل طور پر تبدیل کرنے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ وہی اصول ہے جس کے تحت آج آمنہ ودود جیسے لوگ اسلام کی بنیادیں ہلانے کے درپے ہیں۔ ان ''روشن خیال'' لوگوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ عورت کی امامت کی ممانعت میں کوئی واضح آیت یا حدیث نہیں ملتی لہٰذا ایسا کرنا مباح ہے۔ جبکہ تمام مکاتب فکر کے نزدیک مردوں کے لئے عورت کی امامت اس لئے حرام ہے کیونکہ ایسا کرنے سے متعلق شریعت میں کوئی حجت یا دلیل نہیں ملتی۔ اسی طرح اسلام میں نکاح کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے جبکہ آگ کے گرد سات پھیرے لگا کر شادی کرنے کی ممانعت میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا۔ تو کیا اس طریقے سے نکاح کرنا جائز سمجھا جائے گا؟ اسی طرح شادی کرنے کا کوئی بھی نیا طریقہ کار اپنانا جس کے بارے میں شریعت سے ممانعت نہ ملتی ہو، کیا جائز ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں! ایسا کرنا اس لیے حرام ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو ردٌّ)) ''جو کوئی بھی ایک ایسا عمل کرے جس کے (کرنے سے متعلق) ہمارا حکم نہ ہو، تو وہ (عمل) مردود ہے'' (مسلم)۔ لہٰذا وہ تمام افعال مردود ہیں جن کے کرنے کا حکم آیات مبارکہ یا نبی کریم ﷺ کی احادیث مطہرہ میں وارد نہیں ہوا۔

آج علم پر اجارہ داری قائم کرنے کے لئے پیٹنٹ اور کاپی رائٹس کے قوانین کو استعماری ادارے اسی غلط اصول کے تحت مسلمانوں کے لئے قابل قبول بنا رہے ہیں۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ اسلام میں ان احکامات کے خلاف ممانعت نہیں ملتی حالانکہ چاہیے تھا کہ پیٹنٹ کے قانون کے داعی اپنے دعوے کے حق میں شرعی دلیل لاتے۔ کیونکہ رسول ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہمارے نظام میں کوئی بھی ایسا قانون داخل نہیں کیا جا سکتا جس پر اللہ اور رسول ﷺ کی مہر توثیق نہ ہو۔ اسی طرح اسلام کے دیئے گئے شراکت کے تفصیلی قوانین اور کمپنی سٹرکچر سے ہٹ کر سٹاکس پر مبنی پرائیویٹ اور پبلک لمیٹڈ کمپنیاں بھی غیر شرعی ہیں۔ لیکن آج سرمایہ دارانہ نظام نے انہیں پاکستان میں اسی بنیاد پر متعارف کروایا ہے کہ سٹاکس کے خلاف واضح دلیل نہیں ملتی۔ یہی وہ سرمایہ دارانہ شراکتی قوانین ہیں جو ایسی معیشت کو جنم دیتی ہے جہاں بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور سرمایہ دار Speculations کے ذریعے معیشت کے غبارے میں ہوا بھرتے ہیں اور بعد ازاں عوام کا پیسہ لوٹ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اسلامی معیشت میں اسلامی شراکتی قوانین سے ہٹ کر کوئی قانون قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حال ہی میں کراچی اور لاہور سٹاک ایکسچینج میں ہونے والے کریش کی وجہ یہی سرمایہ دارانہ شراکتی قوانین ہیں جنہیں افعال سے متعلق اسی غلط اصول کے تحت قبول کیا گیا ہے۔

ہمارے یہاں ایک اور بڑی غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ اسلام نے بعض امور پر خاموشی اختیار کی ہے۔ اور محض چند موٹے موٹے اصول بیان کر دیئے ہیں۔ قرآن اور سنت کسی بھی چیز میں خاموش نہیں بلکہ ایسا سمجھنا اسلام کو نامکمل گرداننے کے مترادف ہے، معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو **ہر چیز کی** صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے'' (سورۃ النحل: 89) مزید ارشاد ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ''ہم نے اس کتاب میں **کوئی کسر نہیں چھوڑی**'' (الانعام: 38)

مزید ارشاد ہے:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے **مکمل کر دیا ہے** اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کرلیا'' (سورۃ المائدۃ: 3) پس اسلامی شریعت نے بندے کے کسی فعل کو مہمل قرار نہیں دیا۔ ایک عمل اس لئے مباح ٹھہرتا ہے کیونکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو تفویض کیا ہوتا ہے۔ یعنی مباح بذات خود ایک شرعی حکم ہے اور شارع کے خطاب ہی سے

ایک عمل مباح قرار پاتا ہے نہ کہ اس کے عدم خطاب سے۔

چنانچہ شریعت میں ہر فعل کے لیے یا تو قرآن وحدیث سے نص موجود ہے یا قرآن وحدیث میں ایسا اشارہ موجود ہے، جو اس فعل کے مقصد اور علت کو بیان کرتا ہے تاکہ اس کا اطلاق ہر اُس فعل پر کیا جاسکے، جس میں یہ علت موجود ہو۔ شرعاً یہ ممکن نہیں کہ انسان کے کسی فعل کی کوئی دلیل موجود نہ ہو، یا کم از کم اس کے حکم پر دلالت کرنے کے لیے اشارہ نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عام ہے: ﴿تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيءٍ﴾ ''ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے والی''۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح اور صریح نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کردیا۔ چنانچہ قرآن، سنت، اجماع صحابہ اور قیاس وہ شرعی ماخذ ہیں جن سے ایک مجتہد انسانی زندگی سے متعلقہ تمام احکامات اخذ کرتا ہے۔ انسانی کلوننگ کی حرمت کے بارے میں آج سے چودہ سو سال قبل ہی شارع نے قرآن اور سنت میں احکامات دے دیئے تھے جسے آج ایک مجتہد محض تلاش کر کے امت تک پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افعال اور نظام سے متعلق کسی دوسرے نظریئے اور نظام حیات سے قوانین اخذ نہیں کئے جاسکتے کیونکہ اسلام نے پہلے ہی ان کے بارے میں احکامات دے دئے ہیں۔ چنانچہ یہ خیال کہ امریکی نظام حکومت میں چند ترامیم کے بعد اسلامی حکومتی نظام وجود میں آجاتا ہے ایک فاش غلطی پر مبنی ہے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں سے سود نکال دینے کی صورت میں اسلامی اقتصادی نظام جنم نہیں لیتا۔ یا جمہوری نظام حکومت میں فقط حاکمیت الٰہی کی ایک شق ڈالنے کی وجہ سے پورا کا پورا نظام اسلامی نہیں ہوجاتا۔ وہ اس لئے کہ نظام سے متعلق ہر قانون یا اصول کو قبول کرنے سے قبل ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اس کے لئے قرآن وسنت میں دلیل موجود ہے یا نہیں۔ تو کیا امریکی نظام حکومت یا سرمایہ دارانہ معیشت فقط چند اصولوں کے علاوہ پورا کا پورا شرعی ماخذ سے اخذ کردہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں البتہ امریکہ کے سائنس، صنعت اور ایجادات وغیرہ سے متعلقہ افکار اور سائنسی ترقی کے نتیجے میں وجود میں آنے والی ملموس اشیاء اور صنعت کو مکمل طور پر اپنایا جاسکتا ہے۔ سوائے ان صنعتوں اور سائنسی افکار کے جن کا اختیار کرنا شریعت میں ممنوع ہے۔

پاکستان کا آئین بھی اسی غلط Frame of Mind اور Paradigm کی پیداوار ہے۔ آج پاکستان میں دیگر نظام ہائے حیات سے تمام نظریات، قوانین اور افکار اخذ کرنے کو اس بنیاد پر جائز قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام سے متصادم نہیں۔ لہٰذا اسی اصول کے تحت ہم پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام کو محض معمولی سے ردوبدل کے بعد پورا کا پورا نافذ العمل دیکھتے ہیں۔ ہم نے تمام مغربی قوانین، جملہ آزادیاں، سٹاک ایکسچینج، انشورنس، آزاد منڈی کے اصول، پبلک اور پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیاں، فیوچرز ٹریڈنگ، انٹیلیکچوئل پراپرٹی رائٹس، تیل اور گیس کی نجکاری وغیرہ کو اس بنیاد پر قبول کرلیا ہے کہ اسلام میں ان کے خلاف کوئی واضح حکم موجود نہیں۔ یوں استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کے بعد یہ قانون ساز اداروں اور عوام کی ذمہ داری ٹھہرتی ہے کہ وہ اسلام کے مخالف قوانین چن چن کر نکالنے میں وقت ضائع نہ کریں۔ جیسا کہ سود کے مسئلے پر واضح حکم الٰہی موجود ہونے کے باوجود برسہا برس اس پر ضائع ہوچکے ہیں۔ جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہر قانون کو قرآن، سنت، اجماع صحابہ یا قیاس سے اخذ کیا جاتا۔ نیز یہ حکمران کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر قانون کے اسلامی ہونے کی دلیل فراہم کرے نہ کہ عوام کی۔ لہٰذا آئین کی یہ شق کہ:

"No Law should be made repugnant to Qur'an and Sunnah"

یعنی ''اسلام سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی''، بذات خود غلط ہے۔ کیونکہ اس شق کے مطابق قوانین قرآن وسنت کے علاوہ کسی بھی ماخذ سے اخذ کئے جاسکتے ہیں اور اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ قرآن وسنت میں اس قانون کے خلاف کوئی نہی موجود ہے یا نہیں۔ چنانچہ ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ قرآن وسنت کچھ چیزوں میں خاموش ہیں یا کچھ مسائل پر کوئی حل فراہم نہیں کرتے۔ حال ہی میں امریکی ایما پر بننے والے افغانی اور عراقی آئین میں بھی یہی شق شامل کر کے مخلص مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ جس میں کہا گیا:

"no law can be contrary to the sacred religion of Islam" (Constitution of Afghanistan Article 3)

"No law that contradicts the universally agreed tenets of Islam,... may be enacted" (Iraq's Interim Constitution Article 7)

امریکہ نے یہ شق اسی لئے عراق اور افغانستان کے آئین میں داخل کی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس شق کو نافذ کر کے اسلامی نظام جنم نہیں لے گا۔ دراصل صحیح شق یہ ہونی چاہئے تھی کہ ''قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس کے علاوہ کسی بھی ماخذ سے قانون اخذ نہیں کیا جائیگا''، یعنی

"Legislation cannot be taken from any source other than Qur'an, Sunnah, Ijma-e-Sahaba and Qiyas"

یہ شق حکمرانوں کو ہر قانون کے لئے اسلامی ماخذ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرتی ہے جس کی بدولت اسلامی نظام نافذ ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام کے بارے میں صحیح نکتہ نظر رکھنے اور اس کے نفاذ کے لئے یہ دونوں اصولِ فقہیہ کس قدر اہمیت کے حامل ہیں۔ امت کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے از حد ضروری ہے کہ ہم اس غلط Paradigm کو کہ ''جو اسلام سے متصادم نہیں وہ عین اسلام ہے'' مسترد کر کے یہ درست Paradigm اپنائیں کہ ''جس عمل کا حکم اسلام نہیں دیتا وہ عمل کرنا حرام ہے''۔ صرف اسی صورت میں اسلام ایک مکمل نظریئے اور نظام کے طور پر ابھر کر سامنے آسکتا ہے۔ نیز اسی Paradigm کے ذریعے امت نہ صرف فکری انتشار سے نکل سکتی ہے بلکہ اپنے مسائل کا حل اسلام سے تلاش کرسکتی ہے۔

☆☆☆

اسلام کے نظامِ حکومت کی شکل وھیئت

اسلام کا نظامِ حکومت دنیا میں موجود باقی تمام نظام ہائے حکومت سے یکسر مختلف ہے، وہ اساس جس پر اس نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس نظام کے افکار وتصورات اور پیمانہ، وہ قوانین جن کے ذریعے یہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہے، وہ دستور اور قوانین جنہیں یہ نافذ کرتا ہے، وہ شکل جو یہ اسلامی ریاست کو عطا کرتا ہے؛ غرض یہ نظام پوری دنیا میں موجود حکمرانی کی مختلف شکلوں سے یکسر مختلف ہے۔

اسلام میں حکومت کی شکل بادشاہت نہیں ہے:

اسلام کا نظامِ حکومت نظامِ بادشاہت نہیں ہے۔ اسلام نہ تو بادشاہی طرزِ حکومت کو تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی اس سے مشابہت رکھتا ہے۔

بادشاہی نظام میں حکومت موروثی ہوتی ہے جس میں بیٹا اپنے باپ سے حکومت وراثت میں حاصل کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے وہ مالِ میراث حاصل کرتا ہے۔ جبکہ اسلامی نظامِ حکومت میں موروثی حکومت کا کوئی تصور نہیں بلکہ حکومت اسے ملتی ہے جسے امت اپنی مرضی اور اختیار سے بیعت دیتی ہے۔

بادشاہی نظام میں بادشاہ کو خصوصی حقوق اور امتیازی استثناء حاصل ہوتا ہے جو رعایا میں سے کسی اور کا استحقاق نہیں ہوتا۔ یہ حقوق اسے قانون سے بالاتر بناتے ہیں اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ کی حیثیت یا تو قوم کی علامت کی سی ہوتی ہے جس میں وہ ریاست کا مالک ہوتا ہے لیکن حکومت نہیں کرتا جیسے کہ یورپ کے بادشاہ؛ یا پھر وہ ریاست کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کا حاکم بھی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ بذاتِ خود قانون کا ماخذ ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ملک اور رعایا پر حکومت کرتا ہے جیسے کہ سعودی عرب، مراکش اور اردن کے بادشاہ۔

اسلامی ریاست میں خلیفہ یا امام کو نہ کوئی امتیازی استثناء حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کے خصوصی حقوق کا حقدار ہوتا ہے۔ وہ امت کے باقی افراد کی طرح ایک فرد ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت امت کی علامت کی سی نہیں ہوتی جہاں امت اس کی ملکیت ہو اور وہ خود حکومت نہ چلائے اور نہ ہی اسے ایسی حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرے اور جیسے چاہے ملک وقوم کے معاملات چلائے۔ بلکہ وہ حکومت واختیار میں امت کا نمائندہ ہوتا ہے جسے امت منتخب کرتی ہے اپنی رضامندی سے بیعت دیتی ہے تا کہ وہ اس پر اللہ کی شرع کو نافذ کرے۔ وہ اپنے تمام کاموں، فیصلوں، امت کے امور اور مفادات کی دیکھ بھال میں احکامِ شریعت کا پابند ہوتا ہے۔

مزید برآں اسلام کے نظامِ حکومت میں ولی عہدی کا بھی کوئی تصور نہیں۔ اسلام موروثی حکومت کو مسترد کرتا ہے اور حکومت کو بطورِ وراثت حاصل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتا۔ خلیفہ یا امام صرف اس وقت حکمرانی حاصل کر سکتا ہے جب امت اپنی رضا واختیار کے ساتھ اسے بیعت دے دے۔

اسلامی نظامِ حکومت کی شکل جمہوری نہیں ہے:

اسلام کا نظامِ حکومت جمہوری نظام نہیں ہوتا۔ جمہوری یعنی ری پبلکن نظام کی بنیاد جمہوریت ہے جس میں لوگ اقتدارِ اعلیٰ کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا جمہوریت میں حکومت اور قانون سازی کا حق لوگوں کو حاصل ہے اور حکمران کو مقرر کرنے اور اسے معزول کرنے کا حق بھی اُنہی کے پاس ہوتا ہے۔ لوگ یہ حق بھی رکھتے ہیں کہ وہ دستور وقوانین مرتب کریں، ان دستور وقوانین کو منسوخ یا تبدیل کر دیں یا پھر ان میں کوئی ردوبدل کریں۔

اس کے مقابلے میں اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد اسلامی عقیدے اور احکامِ شرعیہ پر ہے۔ اور اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے امت کو نہیں۔ نہ تو امت اور نہ ہی خلیفہ کو یہ حق حاصل کہ وہ قانون سازی کریں۔ شارع صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے اور خلیفہ کو صرف یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکامات کو دستور و قوانین مرتب کرنے کے لیے اختیار کرے۔ علاوہ ازیں خلیفہ کو معزول کرنے کا حق امت کو حاصل نہیں بلکہ شرع ہی خلیفہ کو معزول کرتی ہے۔ البتہ خلیفہ کو مقرر کرنے کا اختیار امت کے پاس ہے کیونکہ اسلام نے قوت واختیار امت کو تفویض کیا ہے۔ چنانچہ خلیفہ کے انتخاب کا اختیار امت کے پاس ہے کہ وہ جسے چاہے اپنی مرضی سے بیعت دے۔

صدارتی طرز کے جمہوری نظام میں ریاست کی سربراہی کے لازمی اختیارات مملکت کے صدر کے پاس ہوتے ہیں۔ اس کی کابینہ میں وزیر اعظم نہیں ہوتا بلکہ سیکرٹری آف سٹیٹ ہوتے ہیں جیسے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہے۔ جبکہ پارلیمانی طرزِ حکومت میں حکومت میں صدر اور وزیر اعظم دونوں ہوتے ہیں اور حکومت کے لازمی اختیارات صدر کی بجائے (وزیر اعظم کی) کابینہ کے پاس ہوتے ہیں جیسے جرمنی میں ہے۔

نظامِ خلافت میں نہ تو جمہوری نظام کی طرز پر وزراء ہوتے ہیں اور نہ ہی خلیفہ کے ساتھ اس طرح کی وزارتی کابینہ ہوتی ہے جس میں وزراء کے پاس مخصوص وزارتی قلمدان ہوں اور انہیں لازمی اختیارات حاصل ہوں۔ اس کی بجائے خلیفہ کے ساتھ اس کے معاونین ہوتے ہیں جنہیں وہ مقرر کرتا ہے تا کہ وہ خلافت کو چلانے اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں خلیفہ کی مدد کریں۔ یہ معاون تفویض اور معاون تنفیذ ہوتے ہیں۔ اور خلیفہ ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی قیادت کرتا ہے نہ کہ وزیر اعظم کی حیثیت سے یا انتظامی مجلس کے سربراہ کی حیثیت سے۔ خلیفہ کے ساتھ کوئی وزارتی کونسل نہیں ہوتی جو خود سے اختیارات کی حامل ہو۔ کیونکہ تمام لازمی اختیارات خلیفہ کو حاصل ہوتے ہیں اور معاونین ان اختیارات کو بروئے کار لانے میں معاونت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں جمہوری نظامِ حکومت میں خواہ اس کی شکل صدارتی ہو یا پارلیمانی، ریاست کا سربراہ عوام اور ان کے نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اور عوام اور ان کے نمائندوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیں، کیونکہ ری پبلکن نظام میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک عوام ہوتے ہیں۔

یہ مومنین کی امارت کے خلاف ہے۔

امیر المومنین امت اور اس کے نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اور امت اور اس کے نمائندے اس کا محاسبہ کرتے ہیں۔ لیکن خلیفہ کو ہٹانے کا اختیار

امت اور اس کے نمائندوں کے پاس نہیں ہوتا۔ خلیفہ کو صرف اسی صورت میں ہٹایا جا سکتا ہے جب وہ شرع کی ایسی خلاف ورزی کرے کہ اس کو ہٹانا واجب ہو جائے اور **محكمة المظالم** ہی اس بات کا تعین کرتا ہے۔

جمہوری نظامِ حکومت میں خواہ وہ صدارتی ہو یا پارلیمانی، حکمران یا صدر کا انتخاب مقررہ مدت کے لیے ہوتا ہے اور اس مدت سے تجاوز کرنا ممکن نہیں۔

جبکہ نظامِ خلافت میں خلیفہ کے عہدے کی کوئی متعین مدت نہیں ہوتی بلکہ اس کا انحصار شریعت کے نفاذ پر ہوتا ہے۔ جب تک وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے اخذ کردہ احکام شرعیہ کو نافذ کرتا رہے، وہ خلیفہ کے عہدے پر موجود رہتا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس کی خلافت کی مدت کتنی طویل ہے۔ اگر وہ شرع کی خلاف ورزی کرے اور اسلام کے نفاذ سے روگردانی کرے تو اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے، خواہ وہ ایک مہینہ یا ایک دن ہی کیوں نہ ہو۔ اور اسے فوراً ہٹانا لازمی ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نظامِ خلافت اور جمہوری نظام نیز خلیفہ اور جمہوری صدر کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

چنانچہ یہ دعویٰ بالکل جائز نہیں کہ اسلامی نظام ایک جمہوری نظام ہے اور نہ ہی 'اسلامی جمہوریہ' کی اصطلاح استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ ان دونوں نظاموں کی شکل و ہیئت اور تفاصیل میں تفاوت ہونے کے ساتھ ساتھ، یہ نظام اپنی اساس کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے بالکل متناقض ہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت کی شکل نوآبادیاتی نہیں ہے:

اسلام کا نظامِ حکومت نوآبادیاتی نظام نہیں ہے۔ بلکہ نوآبادیاتی نظامِ حکومت اسلام سے بالکل میل نہیں کھاتا۔ اسلام کے زیرِ حکومت مختلف علاقے -- گرچہ مختلف نسل کے لوگوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور ایک مرکز سے منسلک ہوتے ہیں -- لیکن ان پر نوآبادیاتی نظام کی بجائے ایک ایسے نظام سے حکومت کی جاتی ہے جو کہ نوآبادیاتی نظام کے برعکس ہے۔ کیونکہ نوآبادیاتی نظام میں سلطنت کے مختلف حصوں میں بسنے والے مختلف نسل کے لوگوں سے یکساں سلوک نہیں کیا جاتا بلکہ مرکز کو حکومت، اموال اور اقتصادی لحاظ سے خصوصی مراعات حاصل ہوتی ہیں۔

اسلامی طرزِ حکومت میں ریاست کے تمام خطوں میں بسنے والے لوگوں کو مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور نسلی تعصب کی ممانعت ہوتی ہے۔ اسلام ان غیر مسلموں کو جو اسلامی ریاست کے باشندے ہوتے ہیں وہ تمام حقوق عطا کرتا ہے اور ان پر وہ فرائض عائد کرتا ہے جو ریاست میں بسنے والے ایک مسلمان کے ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ویسا ہی عدل کیا جاتا ہے جیسا مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان سے اسی طرح پوچھ گچھ ہوتی ہے جیسا کہ مسلمانوں کی پوچھ گچھ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ریاست کے ہر باشندے کو، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو، وہ حقوق حاصل ہوتے ہیں جو بیرونِ ریاست بسنے والے اُس مسلمان کو حاصل نہیں ہوتے جس کے پاس ریاست کی شہریت نہ ہو۔ اس مساوات کی بنا پر اسلام کا نظامِ حکومت نوآبادیاتی نظام سے یکسر مختلف ہے۔ وہ اپنے زیرِ حکومت علاقوں کو کالونیاں نہیں بناتا، ان کا استحصال نہیں کرتا اور نہ ہی مرکز اپنے فائدے کے لیے ان علاقوں کو دولت چوسنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ بلکہ اسلام تمام علاقوں کو ایک وحدت تصور کرتا ہے، خواہ یہ علاقے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں اور ان کی نسلیں کتنی مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ تمام علاقے ریاست کے جسم کا حصہ ہوتے ہیں اور ان حصوں میں بسنے والے لوگوں کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو کہ مرکز کے باشندوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور ہر حصے میں حکومت، اتھارٹی، نظام اور قوانین یکساں ہوتے ہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت کی شکل وفاقی طرزِ حکومت نہیں ہے:

اسلام کا نظامِ حکومت وفاقی طرز کا نہیں کہ جس میں مختلف علاقوں کو خود مختاری حاصل ہوتی ہے لیکن وہ ایک عمومی مرکزی حکومت کے ذریعے باہم متحد ہوتے ہیں۔ بلکہ اسلام وحدت کا نظام ہے، جس میں مغرب میں مراکش کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو مشرق میں خراسان کی ہے۔ اور اگر صوبۂ فیوم اسلامی ریاست کا مرکز ہو تو اس کا انتظام ویسے ہی ہوگا جیسے کہ قاہرہ کا۔ تمام علاقوں کی مالیات اور ان کا بجٹ بھی ایک جیسا ہوتا ہے۔ مختلف صوبوں سے قطع نظر، اموال کو لوگوں پر یکساں انداز سے خرچ کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک صوبے میں محصولات سے حاصل ہونے والی آمدن اس کی ضروریات سے دوگنا ہو تو اس پر خرچ کیا جانے والا فنڈ اس کی ضروریات کے مطابق ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن کے مطابق نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک صوبے کی آمدن اس کی ضروریات سے کم ہے تو اس امر کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جائے گا اور مجموعی بجٹ میں سے صوبے کی ضرورت کے مطابق اس پر خرچ کیا جائے گا، خواہ وہ ضرورت کے مطابق محصولات پیدا کرے یا وہ ایسا نہ کر سکے۔

چنانچہ نظامِ حکومت وحدت پر مبنی ہے اور یہ وفاقی اتحاد کا نظام نہیں۔ لہٰذا اسلام کا نظامِ حکومت اپنے ماخذ اور اساس کے حوالے سے دیگر تمام نظام ہائے حکومت سے مختلف ہے۔ اگرچہ اس کے بعض پہلو دیگر حکومتی نظاموں کے بعض پہلوؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی نظام میں، حکومت میں مرکزیت ہوتی ہے چنانچہ اعلیٰ اتھارٹی مرکز کو حاصل ہوتی ہے اور مرکز کا اختیار اور اس کی حکومت ریاست کے ہر چھوٹے بڑے حصے پر محیط ہوتی ہے۔ ریاست کے کسی حصے کی خود مختاری کی اجازت نہیں تا کہ ریاست حصے بخرے ہونے سے محفوظ رہے۔ یہ اعلیٰ مرکزی اتھارٹی ہی فوج کے سالاروں، صوبوں کے والیوں اور حکام اور مالی و اقتصادی امور کے عہدیداروں کا تقرر کرتی ہے۔ یہ ہی تمام علاقوں میں قاضیوں کا تقرر کرتی ہے اور ہر اس شخص کا تقرر کرتی ہے جس کا کام حکومت کرنا ہو یا وہ کسی علاقے میں حکومتی امور کے ساتھ براہِ راست منسلک ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام میں حکومت کا نظام، نظامِ خلافت ہے۔ خلافت اور ریاست کی وحدت اور ایک سے زیادہ خلیفہ کی بیعت کے عدم جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ تمام امام، فقیہہ اور مجتہدین اس بات پر متفق ہیں۔ اگر کسی شخص کو بیعت دی جائے جبکہ ایک خلیفہ پہلے سے ہی موجود ہو یا کسی خلیفہ کی بیعت کی جا چکی ہو تو دوسرے خلیفہ سے لڑا جائے گا جب تک کہ وہ پہلے خلیفہ کو بیعت نہ دے دے یا اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ شرعاً پہلے خلیفہ کی بیعت کا صحیح ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

(حزب التحریر کی کتاب ''اسلام کا نظامِ حکومت'' سے ایک اقتباس)

☆☆☆

امتِ مسلمہ پر ہندو غلبہ قائم کرنے کی مذموم کوشش

10 اپریل 2006 کو پاک بھارت تعلقات اور کشمیر کے مسئلے کے متعلق بات کرتے ہوئے صدر جنرل پرویز مشرف نے اعلان کیا: ''یہ ضروری ہے کہ بہتر تعلقات اور موافق عالمی صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے (کشمیر کے) دیرینہ مسئلے کو اس انداز سے حل کر لیا جائے جو تمام فریقین بالخصوص کشمیر کے لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہو''۔ تاہم ''بہتر تعلقات''، ''نارملائزیشن''، اور ''اعتماد سازی کے اقدامات'' کے نام پر صدر مشرف ایسے متعدد اقدامات اٹھا چکا ہے اور وہ مزید اقدامات اٹھانے جا رہا ہے، جو کشمیر سمیت جنوبی ایشیاء کے تمام مسلمانوں پر ہندوؤں کے غلبے کا باعث بنیں گے۔

جہاں تک ہندوؤں کے سیاسی غلبے کا تعلق ہے: تو پرویز مشرف اسلامی علاقوں کی سیاسی تقسیم اور مسلمانوں پر ہندوؤں کی سیاسی اتھارٹی قائم کرنے کی بات کر رہا ہے۔ مشرف کشمیر پر بھارت کے دعوے کو مضبوط بنا رہا ہے جس کے لیے وہ یہ کہہ کر مسلمانوں کو کشمیر کے مسئلے پر ''لچک'' دکھانے کی تلقین کر رہا ہے کہ بھارت کبھی بھی کشمیر کو آزاد کرنے پر آمادہ نہ ہو گا۔ یہی نہیں بلکہ بھارت کو کشمیر پر مشترکہ کنٹرول کی دعوت دے کر مشرف کشمیر کے ان علاقوں پر بھی بھارت کے سیاسی اثر و رسوخ کے قیام کی راہ ہموار کر رہا ہے، جنہیں بھارت کے تسلط سے آزاد کرایا گیا تھا جیسا کہ آزاد کشمیر۔ اور جہاں تک پاکستان کے مسلمانوں کا تعلق ہے، تو مشرف پاکستان کو ان تنظیموں اور کانفرنسوں میں شامل کرنا چاہتا ہے جن پر بھارت کو بالا دستی حاصل ہے۔ جبکہ بھارت اپنی نظریں، اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی مستقل نشست پر جمائے ہوئے ہے؛ وہ سلامتی کونسل کہ جس میں امتِ مسلمہ کی تباہی کے نت نئے منصوبے تیار کیے جاتے ہیں۔

یہ تمام اقدامات ہندو ریاست کو اس بات کا موقع فراہم کریں گے کہ وہ مسلمانوں کے سیاسی معاملات میں بھاری مداخلت کر سکے۔ حالانکہ جب بھی ہندوؤں کو مسلمانوں پر معمولی سا تسلط بھی حاصل ہوا، انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ برصغیر پر انگریز راج کے دوران، ہندو ظالم استعماریوں کا دستِ راست تھے، انہوں نے 1947 میں مسلمانوں کے وحشیانہ قتلِ عام کی منصوبہ بندی کی، اس وقت سے لے کر اب تک وہ کشمیر کے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں، اور یہ ہندو ہی تھے جنہوں نے 1971 میں پاکستان کی دو ٹکڑوں میں تقسیم کو یقینی بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات سے منع فرماتا ہے کہ وہ کفار کو مسلمانوں کے معاملات پر غلبہ فراہم کریں۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾

''اور اللہ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ وہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راستہ (اختیار یا غلبہ) دیں''

جہاں تک ہندوؤں کے ثقافتی غلبے کا تعلق ہے: تو مشرف بھارت کے صحافیوں، اداکاروں اور فن کاروں کے وفود کو دعوت دیتا ہے کہ وہ پاکستان آ کر کانفرنسیں، سیمینار، ثقافتی میلے، اور رقص و سرود کی محفلیں سجائیں، جن کا مقصد ہندو مشرکین کی مسلم دشمنی پر پردہ ڈالنا اور اس تصور کو پروان چڑھانا ہے کہ ہندو اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ علاوہ ازیں مشرف نے پاکستان کے تعلیمی نصاب میں متعدد تبدیلیوں کی نگرانی کی تا کہ ظالم ہندوؤں کے سامنے مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہنے کے طرزِ عمل کو تبدیل کر کے، ان کے سامنے عاجزی اختیار کرنے اور سرنگوں ہو جانے کے طرزِ عمل کو پروان چڑھایا جائے۔ فی الحقیقت مشرف نے اُن آیات اور احادیث کو پسِ پشت ڈال دیا ہے جو مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف پائے جانے والے جذبات کو بیان کرتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

''یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے''

مزید برآں نو دریافت شدہ ''Indus Valley Civilisation'' کے فروغ کے نام پر مشرف پاکستان کے مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ اخوت کا رشتہ قائم کر لیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بھائی چارے کا جو واحد رشتہ مقرر کیا ہے وہ اسلامی اخوت کا رشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ ''صرف مسلمان ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں''

جہاں تک ہندوؤں کے معاشی غلبے کا تعلق ہے: تو مشرف بھارت کو امتِ مسلمہ کے بے پناہ وسائل میں حصہ دار بننے کی دعوت دے رہا ہے اور امتِ مسلمہ کی معاشی طاقت بن کر ابھرنے کی صلاحیت سے غفلت برت رہا ہے۔ تجارتی معاہدوں اور توانائی کے سودوں کے ذریعے، توانائی کی دولت سے محروم ہندوؤں کو وسط ایشیاء اور مشرقِ وسطیٰ میں موجود مسلمانوں کی معدنی دولت میں حصے دار بنایا جائے گا۔ مزید برآں خفیہ ایجنڈا یہ ہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی، جہاز سازی حتیٰ کہ خلائی ٹیکنالوجی جیسی صنعتیں ہندو قائم کریں گے جبکہ سیر و سیاحت، کھیلوں کا سامان اور قالین سازی جیسی ہلکی اور عام سہولیات سے متعلق صنعتیں مسلمانوں کے لیے ہوں گی۔ پس امتِ مسلمہ کے توانائی کے ذخائر مسلمانوں کی اقتصادی نشوونما اور خوشحالی کی بجائے ہندوؤں کی صنعت کو چلانے اور انہیں مسلمانوں کی مارکیٹ پر حاوی

کرنے کے لیے استعمال کیے جائیں گے۔

مشرف مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ وہ ہندو مشرکین کو معاشی غلبہ دے دیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ ہندو مشرکین تو ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ مسلمان ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں عطا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

''اور کافر لوگ (یعنی) اہل کتاب اور مشرکین نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر نازل ہو۔ جبکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے''

جہاں تک ہندوؤں کے عسکری غلبے کا تعلق ہے: تو مشرف نے بھارت کو یہ موقع عطا کیا ہے کہ وہ ''مشترکہ انٹیلی جنس'' اور ''سرحدوں کی حفاظت میں تعاون'' کے نام پر مسلمانوں کی عسکری صلاحیت کا اندازہ لگائے، تاکہ ہندوؤں کو پاکستان کی طرف سے کوئی خوف باقی نہ رہے۔ اور مسلمانوں سے جہاد کو ''سرحد پار دہشت گردی'' قرار دینے کا مطالبہ کر کے مشرف نے پاکستان کی افواج کو کشمیر میں موجود بھارتی فوجی دستوں کا باڈی گارڈ بنا دیا ہے۔ جبکہ ہندو فوجی تو اس قدر بزدل ہیں کہ وہ معمولی اسلحے کے حامل چند مجاہدین کا سامنا کرنے سے بھی ڈرتے ہیں۔ مشرف ایسا کر رہا ہے، اگرچہ اسلام نے فوج کو یہ حیثیت دی ہے کہ وہ مسلمانوں کی محافظ اور ظالم کفار کے خلاف ایک فولادی قوت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ج وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہارے دین کی وجہ سے تم سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو ایسے لوگوں سے دوستی کریں وہی ظالم ہیں''

حقیقت یہ ہے کہ مشرف اُن ہندو مشرکین کو مسلمانوں کے امور پر غلبہ فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جن کے منہ سے ہم مکر وفریب کے سوا کچھ نہیں سنتے اور جن کے ہاتھوں سے ہم نے دغا بازی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ مشرف پاکستان کے مسلمانوں پر ہندوؤں کا سیاسی غلبہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگرچہ امتِ مسلمہ تعداد اور صلاحیت میں ہندو مشرکین سے برتر ہے اور یہ امت کئی صدیوں تک دنیا کی سپر پاور رہی ہے۔ مشرف پاکستان کے مسلمانوں پر ہندوؤں کا ثقافتی غلبہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگرچہ امتِ مسلمہ آج بھی عقیدۂ اسلام کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور صدیوں تک اقوامِ عالم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتی رہی ہے۔ مشرف پاکستان کے مسلمانوں پر ہندوؤں کا معاشی غلبہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگرچہ امت بے پناہ مادی وسائل کی حامل ہے اور وہ صدیوں تک ایک شاندار اقتصادی نمونہ رہی ہے۔ اور مشرف پاکستان کے مسلمانوں پر ہندوؤں کا عسکری غلبہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگرچہ امتِ مسلمہ کے پاس بیسیوں لاکھ سپاہی موجود ہیں جو بہادری اور تعداد میں ہندو فوج سے کہیں بہتر ہیں اور صدیوں تک یہ امت دشمن کی عددی برتری کے باوجود معرکے پر معرکہ جیتتی رہی ہے۔

بجائے اس کے کہ پاکستان کے اندر پاکستان کے مسلمانوں کو اسلامی ریاستِ **خلافت** کے جھنڈے تلے ایک مضبوط اور طاقتور امت کے طور پر ابھرنے کی دعوت دی جائے، جنرل مشرف پاکستان کے مسلمانوں کو شکست خوردگی کی طرف بلا رہا ہے اور انہیں کفار کے غلبے میں دے کر تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کے مسلمانوں کے سیاسی معاملات پر کفار کو غالب کرنے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ کفار کی مداخلت نے ہمیشہ پاکستان کے مسلمانوں کو نقصان سے دوچار کیا ہے۔ وہ پاکستان کے مسلمانوں کے عقیدے اور اقدار پر حملہ کرنے کی راہ بنا رہا ہے، جبکہ یہ عقیدہ اور اقدار ہی اس دنیا میں بحیثیت امت پاکستان کے مسلمانوں کے وجود کا سبب ہیں۔ وہ پاکستان کے مسلمانوں کے وسائل کو کفار کو ایندھن فراہم کرنے کے لیے استعمال کر رہا ہے جبکہ اس نے پاکستان کے مسلمانوں کو غربت اور افلاس میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ اور وہ پاکستان کی افواج کو اپنی ہی عوام کے دفاع سے روکے ہوئے ہے تاکہ ان افواج کو اُن اقوام کے دفاع کے لیے استعمال کیا جا سکے جو آپ پر حملے کر رہی ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی حالت صرف اس وقت بہتر ہوگی جب ہم ایک جسم کی مانند، ایک ریاست کی شکل میں ایک حکمران تلے جمع ہوں گے، جو دینِ اسلام کو نافذ کرے گا اور اسے پوری دنیا تک لے کر جائے گا۔ پس ایک ایسی تحریک کی ضرورت ہے جس کے تحت اِس ریاستِ **خلافت** کے دوبارہ قیام کی جدوجہد کریں تاکہ مسلمان پھر دنیا کی عظیم ترین ریاست بن جائیں، جیسا کہ وہ صدیوں تک تھے، خواہ ہندو مشرکین کو یہ بات ناگوار ہی کیوں نہ ہو!

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو ناگوار ہی ہو''

☆☆☆

نوجوان نسل کے لیے امریکہ کا منصوبہ اور حکومت پاکستان کا کردار

6 مئی 2006 کو پاکستان کے وفاقی وزیر تعلیم جاوید اشرف قاضی نے'' کے ایف سی اساتذہ کنونشن'' کے متعلق میڈیا کے نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ملک کے اٹھارہ سال پرانے تعلیمی نصاب میں کی جانے والی نئی تبدیلیاں جون 2006 میں پیش کی جائیں گی۔ پاکستان کے تعلیمی نصاب میں کی جانے والی سب سے نمایاں تبدیلی نئی نسل میں مغربی اقدار اور نظریات کو فروغ دینا ہے۔ علاوہ ازیں امریکی صدر بش نے مارچ 2006 میں اپنے دورۂ پاکستان کے دوران ذاتی طور پر پاکستان کے نظامِ تعلیم کی زیر التوا اصلاحات میں دلچسپی لی اور ان اصلاحات کی توثیق کی۔ 5 مارچ 2006 کو صدر مشرف کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کے موقع پر امریکی صدر بش نے اس بات کا اعلان کیا:''اور میں پورے ملک میں آزادی (کا تصور) پھیلانے کے منصوبے پر آپ کا شکر گزار ہوں... صدر مشرف نے اپنے تعلیمی منصوبوں کے متعلق مجھے بریف کیا ہے، اور یہ منصوبے دُوررس اور گہری بصیرت پر مبنی ہیں''۔

بش انتظامیہ کی طرف سے مسلم ممالک کے نظامِ تعلیم میں گہری دلچسپی لینے کا سبب یہ ہے کہ وہ اس بات پر انتہائی فکر مند ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی علاقوں پر امریکہ کے استعماری قبضے کو مسترد کر دیا ہے۔ پوری دنیا کے مسلمانوں میں امریکہ کے افغانستان اور عراق پر قبضے، یہودیوں کے فلسطین نیز بھارت کے کشمیر پر تسلط اور مسلم ممالک پر مغربی استعمار کے اثر و رسوخ کے خلاف شدید جذبات پائے جاتے ہیں۔

اس صورتِ حال میں امریکہ نے اپنی توجہ مسلمانوں کی تعلیم پر مرکوز کر دی ہے کیونکہ اس نے دیکھا کہ وہ طاقت کے استعمال کے ذریعے مسلمانوں کی طرف سے امریکہ کے قبضے اور استعماری غلبے کے مسترد کیے جانے کو روکنے میں ناکام ہے۔ بلکہ مغرب کی جانب سے ڈکٹیٹروں اور بادشاہوں کے اسلام کی دعوت کے علمبرداروں کو دبانے، انہیں گرفتار کرنے اور ان پر تشدد کرنے حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے کی مسلسل مدد و حمایت، موجودہ نسل کی اسلام کے ساتھ وابستگی میں اضافے کا موجب بنی ہے۔ پس اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد کہ موجودہ مسلمان نسل کے خلاف قوت کا استعمال نتیجہ خیز ثابت نہ ہوگا، امریکہ نظامِ تعلیم پر انحصار کر رہا ہے تاکہ نئی نسل کو چھوٹی عمر سے ہی نئے سانچے میں ڈھالا جاسکے۔ یہ وہی بات ہے جو صدر مشرف نے 24 مئی 2005 کو روزنامہ ڈیلی ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے کہی تھی، مشرف نے کہا: ''آپ ایک نسل کے عرصے کے دوران ذہنوں کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے دو تین نسلیں درکار ہیں۔ اور آپ طاقت کے استعمال کے ذریعے یہ مقصد کبھی حاصل نہیں کر سکتے''۔

اسلامی دنیا میں سے پاکستان کے نظامِ تعلیم کے متعلق امریکہ خاص طور پر فکر مند ہے۔ 19 اگست 2005 کو جب امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے اس امر پر تنقید کے متعلق اپنی رائے بیان کرنے کے لیے کہا گیا کہ پاکستان میں اساتذہ کو طالبعلموں میں ''جہاد کے جذبے کو پروان چڑھانے'' اور ''آزادی کے حصول کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد کے متعلق عزت و تحسین کے جذبات پیدا کرنے'' کی ہدایت کی جاتی ہے اور ایسی نصابی کتب موجود ہیں جو ''انسان کے بنائے ہوئے قانون'' کو مسترد کرتی ہیں، تو اس کے جواب میں امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان 'شون میکورمیک' نے اپنے سامعین کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ:''ہم اس مسئلے پر پاکستان کی حکومت سے ساتھ گفت و شنید کر رہے ہیں، بالخصوص ان نصابی کتب کے شائع کرنے کے متعلق کہ جنہیں ہم نے مطالعے کے دوران واضح طور پر ناقابلِ قبول اور اشتعال انگیز پایا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ بش انتظامیہ اس بات کی بھرپور کوشش کر رہی ہے کہ پاکستان کے تعلیمی نصاب کو تبدیل کیا جائے۔ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے 8 نومبر 2005 کو اپنی شائع کردہ رپورٹ:'' بین الاقوامی مذہبی آزادی کی رپورٹ برائے 2005''میں مزید بیان کیا ہے:''امریکہ تعلیمی نصاب میں تبدیلی کے لیے پاکستان کی وزارتِ تعلیم کی مدد جاری رکھے گا''، جس میں امریکی سفارت خانے کے عہدیداروں کی طرف سے تعلیمی اصلاحات کی باقاعدگی سے نگرانی بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں امریکی حکومت نے پاکستان کے تعلیمی نظام میں تبدیلی کے لیے یو ایس ایڈ (USAID) پروگرام کے تحت گذشتہ سال کے دوران 66 ملین ڈالر کی رقم خرچ کی۔

مزید برآں استعماری غلبے سے نجات حاصل کرنے اور قبضے سے چھٹکارا پانے کی خواہش کو اُبھارنے والے مواد کو نکالنے کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم میں آئندہ تبدیلیوں کے ذریعے نئی نسل میں مغربی اقدار کو مزید فروغ دیا جائے گا، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی متعین کردہ اقدار کو ختم کرنے کا ذریعہ بنیں گی۔ 4 اپریل 2005 کو قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی برائے تعلیم کے روبرو بیان دیتے ہوئے وفاقی وزیر تعلیم نے حکومتی سکولوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی علیحدگی کو ختم کرنے کے منصوبے کا اعلان کیا۔ یہ ان کئی اقدامات میں سے ایک ہے جو شخصی آزادی کے

تصور کو پروان چڑھانے کے لیے اٹھائے جا رہے ہیں۔ شخصی آزادی کا یہ تصورمرد وعورت کے ناجائز تعلقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ تصور مغرب میں زنا، جسم فروشی، ناجائز اولاد اور ہم جنس پرستی کے رجحانات کو بڑے پیمانے پرفروغ دے چکا ہے۔ اس کے باوجود وزیرتعلیم نے اس بات کی توثیق کی کہ نئے نصاب میں مغربی اقدار اورثقافت پر خاطرخواہ زور دیا جائے گا۔ اوراس میں سیکولرازم کا تصور بھی شامل ہوگا۔ مغرب یہ امید کرتا ہے کہ سیکولرازم کے تصور کے ذریعے وہ اس بات میں کامیاب ہوجائے گا کہ مسلمان انسانوں کے بنائے ہوئے ناقص قوانین کی غلامی کی خاطر اللہ کے نازل کردہ قوانین کوپسِ پشت ڈال دیں۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ استعماری کفار اپنی کوششیں اور دولت خرچ کر رہے ہیں تاکہ وہ اس بات کو یقینی بناسکیں کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں ان کے سامنے سرنگوں ہوجائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾

''یہودی اورعیسائی تم سے کبھی بھی خوش نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلو۔ کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی دراصل ہدایت ہے۔ اوراگرتم اپنے پاس علم (قرآن) کے آجانے کے بعدبھی ان کی خواہشوں پرچلوگے توتمہیں اللہ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اورنہ ہی کوئی مددگار''

اور جہاں تک پاکستانی حکومت کا تعلق ہے تو وہ مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق امریکہ کے منصوبے کوکامیاب بنانے کے لیے کام کررہی ہے۔ وہ یہ سب کچھ کررہی ہے اگرچہ کفرکی طرف دعوت دینا یا کفرکوفروغ دینا اسلام کی روسے جرمِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ ۟ وَ لَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ﴾

''اگرتم کفرکروگےتواللہ تم سے بےنیاز ہے،اوراللہ اپنے بندے کےلیےکفرکوپسندنہیں کرتا''

حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کے نظام نے یہاں کے مسلمانوں کے خلاف استعمار کے ہرمنصوبے کوکامیابی سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے،خواہ ان منصوبوں کا تعلق یہاں کے مسلمانوں کے علاقوں اوروسائل حتیٰ کہ ان کے دین پرحملے سے ہی کیوں نہ ہو۔ یہ نظام ہی یہاں کے مسلمانوں کی بدترصورتِ حال اورذلت ورسوائی کی وجہ ہے، کیونکہ یہ انسانوں کا بنایا ہوا سیکولر نظام ہے جو اللہ کی وحی کوپسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اس نظام میں وقتاً فوقتاً چہرے تبدیل ہوتے رہے لیکن یہاں کے لوگوں کی مشکلات ومصائب کے حجم اور تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کوخبردارکیاہے کہ:

((لا یُلدغُ المُؤمن من جحرٍ واحدٍ مرتین))

''مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈساجاتا''

اس نظام کو بار بار آزمانے اورلوگوں کواس نظام سے آس لگانے کی طرف کیوں دعوت دی جارہی ہے جبکہ یہ نظام تویہاں کے مسلمانوں کوایک مرتبہ نہیں بلکہ لاتعدادمرتبہ ڈس چکاہے؟

حکومت پاکستان اس بات کی سرتوڑ کوشش کررہی ہے کہ وہ پاکستان کی آئندہ آنے والی نسلوں کومغرب کا غلام بنادے۔ وہ اسلامی کلچراور اسلامی اقدار کی بجائے کفار کی بنائی ہوئی اقدار کواپنی زندگی کا مطمعِ نظر بنالے۔ وہ معاشرتی زندگی میں شخصی آزادی کو اپنا کر اپنے معاشرے کوحیوانی معاشرہ بنالے جیسا کہ مغرب کا مادر پدرآزاد معاشرہ ہے۔ یہاں یہ بات سوچنے کی ہے کیا اس سے بچنے کا کوئی راستہ موجود ہے؟

اس کا جواب یہی ہے کہ یہی وہ وقت ہے کہ ہم اس بات کو جان لیں کہ اس نظام کی برائی اور ذلت سے اپنے آپ کواوراپنی آئندہ نسلوں کوبچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم سب اس نظام کی جگہ **خلافت** کے دوبارہ قیام کی کوشش کریں۔ یہ ریاستِ **خلافت** ہی ہوگی جوتمام تراقدار،نظریات،تصورات اوررجحانات کے لیےصرف اسلام کوبنیاد بنائے گی۔ یہ ریاستِ **خلافت** ہی ہوگی جوہمارے بیٹوں اوربیٹیوں کی ویسی تربیت کرےگی جواللہ اوراس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں **خلافت** وہ ریاست تھی جوکہ کئی صدیوں تک پوری دنیا کے لیےعلم کامنبع تھی اوردنیا کی بہترین یونیورسٹیاں اورسب سے ہونہار سائنسدان اس کے پاس تھے۔ اوراس وقت یورپ میں عربی زبان سے واقف ہونا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔

یہ وہ راستہ ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے آپ کواوراپنی آئندہ آنے والی نسلوں کوکفاراور ان کی طرف سے ہونے والی سازشوں سے بچاسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَ اَهْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ﴾

''اے ایمان والو!اپنے آپ کواوراپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ،جس کاایندھن انسان اورپتھر ہیں''

☆☆☆

> عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:
>
> ''اے لوگو! اگرکوئی شخص کسی بات کاعلم رکھتا ہے تووہ اسے بیان کرےلیکن اگروہ نہیں جانتا تووہ کہے''اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' کیونکہ کسی بات کے علم نہ ہونے پر''اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' کہنا، اہل علم ہونے کی نشانی ہے''

اسلام کا اقتصادی نظام

دفعہ نمبر119: اقتصادی پالیسی یہ ہے کہ ضروریات کو پورا کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ کن اشیاء پر معاشرے کا دارومدار ہے۔ چنانچہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس چیز کو بنیاد بنایا جائے گا جس پر معاشرے کا دارومدار ہے۔

دفعہ نمبر120: (اصل) اقتصادی مسئلہ اموال اور منافع کو ریاست کے تمام افراد پر تقسیم کرنا اور عوام کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ کوشش کر کے ان اموال سے فائدہ اٹھا سکیں۔

دفعہ نمبر121: تمام افراد کو فرداً فرداً تمام بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی ضمانت دینا لازمی ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی ضمانت دی جائے گی کہ ہر فرد ان ضروریات کو حاصل کر سکے جن کے ذریعے وہ اپنے معیارِ زندگی کو بہتر بنا سکے۔

دفعہ نمبر122: مال صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اسی نے بنی نوع انسان کو مال میں اپنا جانشین بنایا ہے اور اسی عام جانشینی کی وجہ سے انسان کو ملکیت کا حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے فرد کو اس مال پر ملکیت کا اختیار (اجازت) دیا۔ چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انسان بالفعل مال کا مالک بن گیا۔

دفعہ نمبر 123: ملکیت کی تین اقسام ہیں۔ انفرادی ملکیت، عوامی ملکیت، ریاستی ملکیت۔

دفعہ نمبر124: انفرادی ملکیت ایک شرعی حکم ہے۔ اس کا تعلق عین (اصل) یا منفعت سے ہے۔ اس ملکیت کا تقاضا ہے کہ صاحبِ مال کو مال سے یا مال کے عوض، فائدہ اٹھانے کا اختیار حاصل ہو۔

دفعہ نمبر125: عوامی ملکیت سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کو مشترکہ طور پر عین (اصل) سے فائدہ اٹھانے کی شرعی اجازت ہے۔

دفعہ نمبر126: ہر وہ مال، جسے خرچ کرنا خلیفہ اور اس کے اجتہاد پر موقوف ہے، وہ ریاست کی ملکیت ہے، مثلاً ٹیکس، خراج اور جزیہ سے حاصل ہونے والے اموال۔

دفعہ نمبر127: انفرادی ملکیت، خواہ وہ اموالِ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، وہ ان پانچ شرعی اسباب سے حاصل کی جا سکتی ہے:

(1) عمل (کام)

(2) میراث

(3) جان بچانے کے لیے مال حاصل کرنا

(4) ریاست کی جانب سے اپنے اموال میں سے رعایا کو دینا

(5) وہ اموال، جنہیں افراد کسی مال کے بدلے یا جدوجہد کے بغیر حاصل کریں

دفعہ نمبر128: ملکیت میں تصرف شارع کی اجازت پر موقوف ہے۔ خواہ یہ تصرف مال کو خرچ کرنے سے متعلق ہو یا ملکیت میں اضافہ کرنے کے حوالے سے ہو۔ چنانچہ اسراف، نمود ونمائش، کنجوسی، سرمایہ دارانہ کمپنیاں، کوآپریٹو سوسائٹیز اور تمام خلافِ شرع معاملات ممنوع ہیں۔ اسی طرح سود، غبنِ فاحش، ٹھگی، ذخیرہ اندوزی اور جواء وغیرہ سبھی ملکیت کے تصرف کے لیے ممنوع ہیں۔

دفعہ نمبر129: عشری زمین وہ ہے جہاں کے رہنے والے (مالک) اس زمین پر رہتے ہوئے ایمان لائیں، مثلاً جزیرہ عرب کی سرزمین۔ خراجی زمین، عرب کو چھوڑ کر ہر وہ زمین ہے، جو جنگ یا صلح کے ذریعے فتح کی گئی ہو۔ عشری زمین اور اس سے حاصل ہونے والی منفعت دونوں افراد کی ملکیت ہوتے ہیں۔ خراجی زمین ریاست کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کا فائدہ افراد کی ملکیت ہوتا ہے۔ شرعی عقود کے تحت ہر فرد کو عشری زمین اور خراجی زمین کی منفعت تبدیل کرنے کا حق حاصل ہے۔ دوسرے اموال کی طرح یہ زمین بطورِ میراث بھی منتقل ہوگی۔

دفعہ نمبر130: بنجر زمین کی آبادکاری اور اس کی حد بندی کے ذریعے اس کا مالک بنا جا سکتا ہے۔ غیر بنجر زمین کی ملکیت صرف شرعی سبب یعنی میراث' خریداری اور کسی کی طرف سے ہبہ کرنے سے ہوگی۔

دفعہ نمبر131: زمین خواہ خراجی ہو یا عشری، اسے کرائے پر دینا ممنوع ہے۔ جس طرح کہ مزارعت (زمین کو ٹھیکے پر دینا) ممنوع ہے۔ البتہ مساقات مطلقاً جائز ہے۔

دفعہ نمبر132: ہر مالکِ زمین کو زمین سے فائدہ اٹھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ زمین سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہو تو بیت المال سے ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کی جائے گی۔ ہر وہ شخص، جو زمین سے تین سال تک کوئی فائدہ اٹھائے بغیر اسے بیکار چھوڑے رکھے، تو یہ زمین اس سے لے کر کسی اور کو دے دی جائے گی۔

دفعہ نمبر133: تین طرح کی اشیاء عوامی ملکیت میں شامل ہیں:

(1) ہر وہ چیز جو جماعت کی ضرورت ہو، مثلاً شہر کے میدان۔

(2) ختم نہ ہونے والی معدنیات جیسے تیل کے کنوئیں۔

(3) وہ اشیاء جو طبعی طور پر افراد کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتیں، مثلاً نہریں۔

دفعہ نمبر134: کارخانہ بحیثیتِ کارخانہ انفرادی ملکیت ہوتا ہے۔ تاہم کارخانے کا وہی حکم ہے جو اس کی پیداوار کا ہے۔ چنانچہ کارخانے میں پیدا ہونے والی چیز انفرادی املاک میں سے ہو تو کارخانہ بھی انفرادی ملکیت میں ہوگا، مثلاً کپڑے کا کارخانہ۔ اگر کارخانے کی پیداوار ایسی شے ہو جو عوامی ملکیت کے زمرے میں آتی ہو تو کارخانہ بھی عوامی ملکیت ہوگا، جیسا کہ لوہے کا کارخانہ۔

دفعہ نمبر135: ریاست کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ انفرادی ملکیت کی کسی چیز کو عوامی ملکیت میں دے دے۔ کیونکہ عوامی ملکیت ہونا مال کی نوعیت پر منحصر ہے اور یہ مال کی صفت ہے، نہ کہ ریاست کی رائے۔

دفعہ نمبر136: امت کے ہر فرد کو عوامی ملکیت میں داخل ہر چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ ریاست کے لیے کسی خاص فرد کو عوامی ملکیت کے املاک کا مالک بنانا یا صرف اُسے اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا جائز نہیں۔

دفعہ نمبر137: ریاست کے لیے رعایا کے مفادات کے لیے بنجر زمین یا عوامی ملکیت میں داخل کسی چیز کو

(لوگوں کے لیے) ممنوع قرار دینا جائز ہے۔

دفعہ نمبر 138: مال کو جمع کر کے خزانہ بنانا ممنوع ہے، اگرچہ اس پر زکوٰۃ بھی کیوں نہ دی جائے۔

دفعہ نمبر 139: مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ زکوٰۃ صرف اُن اموال پر لی جائے گی جن پر زکوٰۃ لینے کو شریعت نے متعین کر دیا ہے، مثلاً نقدی، تجارتی سازوسامان، مویشی اور غلہ۔ جن اموال پر زکوٰۃ لینے کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو، اُن پر زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ زکوٰۃ ہر صاحبِ نصاب سے لی جائے گی، خواہ وہ مکلّف ہو جیسا کہ عاقل بالغ انسان یا وہ غیر مکلّف ہو، جیسا کہ بچہ اور مجنون۔ پھر اس زکوٰۃ کو بیت المال کی ایک خاص مد میں رکھا جائے گا۔ زکوٰۃ کو قرآن کریم میں وارد آٹھ اصناف میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد اصناف کے علاوہ کہیں اور خرچ نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر 140: ذمیوں سے جزیہ لیا جائے گا اور جزیہ ذمیوں کے بالغ مردوں سے ان کی استطاعت کے مطابق لیا جائے گا۔ عورتوں اور بچوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

دفعہ نمبر 141: خراجی زمین پر خراج مناسب مقدار میں لیا جائے گا اور عشری زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ لی جائے گی۔

دفعہ نمبر 142: مسلمانوں سے وہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کی شرع نے اجازت دی ہو اور جتنا بیت المال کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو۔ شرط اس میں یہ ہے کہ یہ ٹیکس اس رقم پر وصول کیا جاتا ہے جو صاحبِ مال کے پاس معروف طریقہ کے مطابق اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد زائد ہو اور یہ ٹیکس ریاست کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی کافی ہو۔ غیر مسلموں سے یہ ٹیکس بالکل وصول نہیں کیا جاتا اور ان سے سوائے جزیہ کے اور کچھ بھی نہیں لیا جاتا۔

دفعہ نمبر 143: وہ تمام اعمال، جن کی انجام دہی کو شریعت نے امت پر فرض قرار دیا ہے، اگر بیت المال میں ان اعمال (ذمہ داریوں) کو انجام دینے کے لیے مال نہ ہو تو یہ فرض امت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ریاست کو اس امر کا حق حاصل ہے کہ وہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے امت پر ٹیکس لازم کر دے۔ لیکن جن امور کی ادائیگی کو شریعت نے امت پر فرض قرار نہیں دیا ہے، ان کے لیے ٹیکس وصول کرنا ریاست کے لیے جائز نہیں۔ چنانچہ ریاست کورٹ فیس یا دفتری فیس یا عدالتی ٹیکس یا اس نوعیت کا کوئی بھی ٹیکس نہیں لے سکتی۔

دفعہ نمبر 144: ریاستی بجٹ کی اصناف دائمی نوعیت کی ہوتی ہیں، جنہیں احکامِ شرعیہ نے مقرر کر دیا ہے۔ اس کی مزید ذیلی مدات ہوتی ہیں جن میں سے ہر مد کے لیے رقوم مختص کی جاتی ہیں۔ بجٹ کی مقدار اور جن مدات کے لیے رقوم مختص کی جاتی ہیں، یہ سب خلیفہ کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے۔

دفعہ نمبر 145: بیت المال کی آمدن کے دائمی ذرائع یہ ہیں۔ مالِ فے، جزیہ، خراج، رکاز کا پانچواں حصہ اور زکوٰۃ۔ ان اموال کو ہمیشہ وصول کیا جائے گا۔ خواہ ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

دفعہ نمبر 146: بیت المال کی دائمی آمدنی ریاست کے اخراجات کے لیے ناکافی ہونے کی صورت میں ریاست مسلمانوں سے ضرائب (ٹیکسز) وصول کرے گی اور یہ ٹیکسز ان مدات کے لیے اکٹھے کیے جائیں گے:

(ا) فقراء، مساکین، مسافر اور فریضہ جہاد کی ادائیگی کے لیے اور بیت المال کے ذمے فرض اخراجات کو پورا کرنے کے لیے۔

(ب) اُن اخراجات کو پورا کرنے کے لیے، جنہیں پورا کرنا بیت المال کے ذمہ بطورِ بدل واجب ہے، مثلاً ملازمین کے اخراجات، فوجیوں کا راشن اور حکام کے معاوضے۔

(ج) اُن اخراجات کو پورا کرنا، جو بیت المال پر مفادِ عامہ کے لیے بغیر کسی بدل کے واجب ہیں، مثلاً نئی سڑکیں بنانا، زمین سے پانی نکالنا، مساجد، مدارس اور ہسپتال بنوانا۔

(د) اُن نقصانات کا تدارک کرنا، جو بیت المال پر واجب ہیں، مثلاً کوئی ہنگامی حالت، قحط، طوفان اور زلزلے۔

دفعہ نمبر 147: وہ اموال بھی ذرائع آمدن میں شمار ہوتے ہیں جو ریاست کی سرحدوں پر کسٹم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور بیت المال میں جمع ہوتے ہیں۔ اس طرح عوامی ملکیت یا ریاستی ملکیت سے حاصل ہونے والے اموال اور وہ اموال جن کا کوئی وارث نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بیت المال میں رکھا گیا ہو، بھی ذرائع آمدن ہیں۔

دفعہ نمبر 148: بیت المال کے اموال کو ان چھ اصناف میں تقسیم کیا جائے گا:

(1) وہ آٹھ اصناف جو اموالِ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، اُن پر زکوٰۃ کی مد سے خرچ کیا جائے گا۔ جب زکوٰۃ کی مد میں کوئی مال موجود نہ ہو تو اس مد میں سے ان پر کوئی چیز خرچ نہیں کی جائے گی۔

(2) فقراء، مساکین، مسافر (ابنِ سبیل)، جہاد، مقروض (غارمین) پر خرچ کرنے کے لیے اموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ مال موجود نہ ہو تو ان پر بیت المال کی دائمی نوعیت کی آمدنی کے ذرائع سے خرچ کیا جائے گا۔ لیکن اس میں بھی اگر کوئی مال نہ ہو تو قرض داروں (غارمین) پر کچھ خرچ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن فقراء، مساکین، مسافر اور جہاد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس لگایا جائے گا اور اگر ٹیکس لگانے میں کسی خرابی کا اندیشہ ہو تو ٹیکس کی بجائے بطورِ قرض اموال حاصل کیے جائیں گے۔

(3) وہ اشخاص جو ریاست کے لیے خدمات سرانجام دے رہے ہیں، جیسے ملازمین، حکام اور فوج، ان پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ لیکن جب بیت المال کا مال اس کے لیے کافی نہ ہو تو ٹیکس لگا کر ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے گا اور اگر ٹیکس لگانے کی صورت میں کسی قسم کی خرابی کا خوف ہو تو اس مقصد کے لیے قرض لیے جائیں گے۔

(4) بنیادی مصالح (مفادات) اور ضروریات جیسے راستوں، مساجد، ہسپتالوں اور سکولوں پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ لیکن جب بیت المال میں اتنا مال نہ ہو تو ٹیکس وصول کر کے ان پر خرچ کیا جائے گا۔

(5) اعلیٰ سہولیات اور ضروریات پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ جب بیت المال میں ان پر خرچ کرنے کے لیے مال موجود نہ ہو تو ان پر کچھ خرچ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ انہیں ملتوی کیا جائے گا۔

(6) ہنگامی حالات مثلاً زلزلہ اور طوفان وغیرہ کی صورت میں بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ بیت المال میں مال نہ ہونے کی صورت میں ان کے لیے فوراً قرض لیا جائے گا۔ پھر ٹیکس جمع کر کے اسے

ادا کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر149: ریاست اپنے ہر شہری کے لیے روز گار کی ضمانت دے گی۔

دفعہ نمبر150: افراد اور کمپنیوں کے ملازمین تمام فرائض اور حقوق کے لحاظ سے ریاست کے ملازمین کی طرح ہیں۔ جو بھی اجرت پر کام کرتا ہے وہ ملازم ہے، خواہ عمل اور عامل (کام کرنے والے) کی نوعیت کچھ بھی ہو۔ چنانچہ جب اجیر (ملازم) اور مستاجر (کام کروانے والے) کے درمیان اجرت پر اختلاف ہو جائے تو اجرتِ مثل کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس (اجرت) کے علاوہ کسی اور چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ احکامِ شریعت کے مطابق ملازمت کے معاہدے کے تحت ہوگا۔

دفعہ نمبر151: کام کے فائدے یا ملازم سے حاصل ہونے والے نفع کے لحاظ سے اجرت کو مقرر کرنا جائز ہے۔ ملازم کی معلومات یا اس کی علمی شہادت (اسناد) کے لحاظ سے اس کی اجرت مقرر نہیں کی جائے گی۔ ملازم کی تنخواہ میں کوئی سالانہ اضافہ نہیں ہوگا، بلکہ انہیں ان کے کام کی پوری اجرت دی جائے گی، جس کے وہ مستحق ہیں۔

دفعہ نمبر152: جس شخص کے پاس مال نہیں یا وہ کام نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا کوئی ایسا رشتہ دار ہے جس پر اسے نفقہ دینا فرض ہو تو ریاست اسے نفقہ کی ضمانت دے گی۔ اس طرح عاجز محتاج کو ٹھکانہ دینا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

دفعہ نمبر153: ریاست ایسی تدابیر اختیار کرتی ہے کہ مال رعایا کے درمیان گردش کرتا رہے اور صرف خاص طبقے کے درمیان ہی گردش میں نہ رہے۔

دفعہ نمبر154: ریاست رعایا کے ہر فرد کو اس قابل بنانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اپنے لیے اعلیٰ معیارِ زندگی کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ ریاست درج ذیل طریقے سے معاشرے میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے:

(ا) بیت المال میں جو اموال ہوں، خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ اور مالِ فے وغیرہ، ریاست ان میں سے رعایا کو عطا کرے گی۔

(ب) جن لوگوں کے پاس اتنی زمین نہ ہو جس سے ان کا گزارہ ہو سکے تو ریاست انہیں آباد زمین میں سے زمین دے گی۔ البتہ جن لوگوں کے پاس زمین تو ہے لیکن وہ اسے کاشت نہیں کرتے تو انہیں زمین نہیں دی جائے گی۔ جو لوگ زراعت نہیں کر سکتے انہیں مال دیا جائے گا۔

(ج) ایسے قرض دار، جو اپنا قرض چکانے سے عاجز ہوں، ریاست زکوٰۃ کے مال اور مالِ فے وغیرہ سے ان کا قرضہ چکائے گی۔

دفعہ نمبر155: ریاست زرعی امور اور زرعی پیداوار کی نگرانی اِس زرعی پالیسی کی ضرورت کی بنیاد پر کرے گی کہ زمین سے اس طرح فائدہ اٹھایا جائے کہ زمین کی پیداوار زیادہ سے زیادہ ہو۔

دفعہ نمبر156: ریاست صنعت سے متعلق تمام امور کی خود نگرانی کرتی ہے اور عوامی ملکیت میں داخل تمام مصنوعات کی دیکھ بھال بھی براہِ راست خود کرتی ہے۔

دفعہ نمبر157: بیرونی تجارت کا اعتبار تاجر کے ملک کے لحاظ سے ہوگا نہ کہ ساز و سامان کے لحاظ سے۔ چنانچہ حربی ملک کے تاجر کا ہمارے علاقوں میں تجارت کرنا ممنوع ہے، سوائے یہ کہ کسی خاص تاجر یا خاص مال کی تجارت کی اجازت دی گئی ہو۔ جن ممالک کے ساتھ ہمارے معاہدات ہیں تو ان کے تاجروں کے ساتھ ہمارے اور ان کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی رو سے معاملہ کیا جائے گا۔ عوام میں سے جو تاجر ہوں گے انہیں اس چیز کو باہر لے جانے سے روکا جائے گا، جس کی ریاست کو ضرورت ہے یا جس سے دشمن کو فوجی، صنعتی یا اقتصادی قوت حاصل ہوتی ہو۔ البتہ انہیں اپنا مال ریاست میں لانے سے نہیں روکا جائے گا۔ ان احکامات سے وہ ملک مستثنیٰ ہوگا جس کے ساتھ ہم عملاً حالتِ جنگ میں ہیں، جیسا کہ اسرائیل، کیونکہ اس کے ساتھ تمام معاملات، خواہ وہ تجارتی ہوں یا کوئی اور اسے دارالحرب فعلاً سمجھتے ہوئے طے کیے جائیں گے۔

دفعہ نمبر158: رعایا کے تمام افراد کو زندگی کے مسائل سے متعلق ریسرچ لیبارٹریاں بنانے کا حق حاصل ہے اور خود ریاست کو بھی چاہیے کہ وہ اس قسم کی تجربہ گاہیں قائم کرے۔

دفعہ نمبر159: افراد کو ایسی تجربہ گاہوں کی ملکیت سے روکا جائے گا، جو ایسا مواد پیدا کریں جس کا افراد کی ملکیت میں ہونا امت یا ریاست کے لیے ضرر رساں ہو۔

دفعہ نمبر160: ریاست رعایا کے تمام افراد کو تمام طبی سہولتیں مفت مہیا کرے گی، لیکن وہ ڈاکٹروں کو پرائیویٹ پریکٹس کرنے اور ادویات فروخت کرنے سے نہیں روکے گی۔

دفعہ نمبر161: غیر ملکی سرمائے کا استعمال اور غیر ملکی سرمایہ کاری ریاست میں ممنوع ہوگی، اس طرح کسی غیر ملکی کو کوئی رعایت نہیں دی جائے گی۔

دفعہ نمبر162: ریاست اپنی ایک خاص کرنسی جاری کرے گی اور اسے کسی اجنبی کرنسی سے منسلک کرنا جائز نہیں ہوگا۔

دفعہ نمبر163: ریاست کی کرنسی سونا اور چاندی پر مشتمل ہوگی، خواہ اسے ڈھالا گیا ہو یا نہ ڈھالا گیا ہو۔ سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور چیز کو نقدی کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ ریاست کے لیے سونا اور چاندی کے بدل کے طور پر کوئی اور چیز جاری کرنا بھی جائز ہوگا۔ بشرطیکہ جو چیز جاری کی جائے اس کے مساوی اتنی مالیت کا سونا یا چاندی ریاست کی ملکیت میں موجود ہو۔ پس ریاست کے لیے جائز ہے کہ وہ پیتل، کانسی یا کاغذی نوٹ وغیرہ پر اپنے نام کا ٹھپہ لگا کر جاری کرے۔ بشرطیکہ اس کے پاس اتنی ہی مالیت کا سونا یا چاندی موجود ہو۔

دفعہ نمبر164: برابری کے اصول پر جس طرح داخلی طور پر نقدی کا تبادلہ جائز ہے، اسی طرح اسلامی ریاست اور دوسری ریاستوں کی کرنسیوں کے مابین تبادلہ بھی جائز ہوگا۔ اور اگر ان دونوں کرنسیوں کی جنس الگ الگ ہو تو اس صورت میں ان کے مابین کمی بیشی بھی جائز ہوگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ دست بدست ہو، ادھار کی بنیاد پر ایسا کرنا جائز نہیں۔ جب دونوں کرنسیاں مختلف ہوں تو بغیر کسی قید (شرط) کے کرنسیوں کے شرح تبادلہ میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ عوام کا ہر فرد اندرونی یا بیرونی کرنسیوں کو خریدنا یا بیچنا چاہے تو اسے اجازت ہوگی۔ اس کے لیے کسی کرنسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

☆☆☆

(حزب التحریر کی کتاب ''ریاستِ خلافت کا مسودۂ دستور'' سے ایک اقتباس)

☆☆☆

حدود آرڈننس کی آڑ میں اسلام پر حملہ

حدود آرڈیننس اور اس سے متعلقہ دیگر قوانین کچھ عرصے سے اسمبلی اور ذرائع ابلاغ میں زیر بحث ہیں۔ کئی سیکولر طبقے، خواتین کی آزادی کی تنظیمیں اور NGOs ان قوانین کی منسوخی کے لیے شدّ ومدّ سے پروپیگنڈا کر رہی ہیں اور انہیں خواتین پر تشدد اور ان سے ناانصافی کا ذمہ دار ٹھہراتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا موجودہ نظام میں زنا سے متعلق قوانین جنہیں عرف عام میں حدود آرڈیننس کہا جاتا ہے واقعی اللہ اور رسول ﷺ کے دیئے ہوئے حدود کے مطابق ہیں یا نہیں؟ نیز یہ کہ جو اعتراضات یہ NGOs اور بین الاقوامی ادارے پیش کر رہے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے اور اسلام اس کے بارے میں کیا حل پیش کرتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو زندگی گزارنے کے لیے جو مکمل ضابطہ حیات دیا ہے اس میں زندگی کے ہر شعبے اور نظام کے لیے محض رہنما اصول ہی نہیں بلکہ باریک سے باریک جزئی تفصیلی احکامات اور قوانین شامل ہیں۔ اگر اسلام کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے اور سونے جاگنے سے متعلق تفصیلی احکامات دے سکتا ہے تو دیگر معاشرتی معاملات اور ان سے متعلق سزاؤں کے متعلق کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلام ایک مکمل اور مربوط نظام ہے جس کی وجہ سے اسلام کے چند احکامات نافذ کر کے اس کے دیگر احکامات کو پس پشت ڈالنا نہ صرف شرعاً حرام ہے بلکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ مسائل بھی حل نہیں ہو پاتے جنہیں یہ احکام شرعیہ حل کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ "کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟ اور جو شخص ایسا کریگا تو دنیا میں اس کے لئے رسوائی ہے اور آخرت کے دن ان لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائیگا" (سورۃ البقرۃ:85)

یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی شخص پر حدّ سرقہ (یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا) اس وقت تک نافذ نہیں کرتا جب تک اسلام کے مکمل نفاذ کے ذریعے اس شخص کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پیدا ہونے والے قحط کے دوران حد سرقہ نافذ نہیں کی گئی تھی۔ یہ حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے نہ تھی بلکہ اس کے لیے حدیث موجود تھی۔ یہ ضروریات اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتیں جب تک اسلام کا معاشی نظام مکمل طور پر نافذ نہ ہو کیونکہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی کوئی ضمانت نہیں دیتا اور نہ ہی یہ اس کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی خارجہ پالیسی جو کہ جہاد پر مبنی ہوتی ہے اسلامی معاشی نظام کی معاونت کرتی ہے۔ نئے علاقوں کی فتوحات سے مال غنیمت، جزیہ، خراج اور عشر کی مد میں اضافہ ہوتا ہے جس کے ذریعے عوامی ضروریات کو بہتر طور پر پورا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلام کا معاشرتی نظام جو کہ مرد اور عورت کے تعلقات کو منظّم کرتا ہے اور اس کے اندر حضانت (بچوں کی پرورش کی ذمہ داری) اور نان نفقہ کے قوانین بھی شامل ہیں۔ یہ نظام اس امر کی واضح انداز میں نشاندہی کرتا ہے کہ ایک بچے کے یتیم ہونے یا ایک عورت کے بیوہ یا مطلقہ ہونے کے بعد اس کی کفالت کی ذمہ داری کن رشتہ داروں کے ذمے ہوگی تاکہ اسے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے چوری یا بھیک نہ مانگنی پڑے۔ اسلام کے تعلیمی نظام کے ذریعے افراد کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ وہ خوف خدا رکھیں اور جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔ نیز چوری کے نتائج اور سزا کے بارے میں بھی عوام کو تعلیم دی جاتی ہے تاکہ ایک شخص کو چوری سے قبل ہی اس کے نتائج کا علم ہو۔ اس کے علاوہ حد جاری کرنے کی مجاز اتھارٹی اسلامی ریاست ہوتی ہے جس میں عوام بیعت کے عقد کے ذریعے اپنا حکمران چنتے ہیں اور اسلام نافذ کرنے کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈالتے ہیں۔ شریعت اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ عوام از خود حد جاری کرنے کے لیے پنچائتیں اور جرگے بناتے پھریں۔ اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ یہ حدود اللہ محض ہوا میں نافذ نہیں ہوا کرتیں بلکہ یہ ایک مکمل اور مربوط نظام کا محض ایک مختصر سا جزو ہیں۔ یوں فقط حد سرقہ نافذ کرنے کے لیے پورے کے پورے اسلام کا بیک وقت نفاذ ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ "اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو" (سورۃ البقرۃ:208)

جہاں تک حد زنا کا تعلق ہے تو اسلامی معاشرتی نظام کے تحت ایسے مواقع ہی پیدا نہیں ہونے دیئے جاتے جو زنا کا پیش خیمہ بنیں۔ اگرچہ اسلام خواتین کو معاشرے میں ایک فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مرد و زن کے تعلقات کی تنظیم کے لیے مخصوص احکامات بھی عطا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک عورت ایک ڈاکٹر، جج، وکیل، استاد، تاجر، ماہر اقتصادیات، سائنسدان اور سیاستدان وغیرہ ہوسکتی ہے لیکن اسے یہ تمام فرائض اسلامی احکامات کے تحت پورے کرنے ہوتے ہیں۔ مثلاً خواتین اور مردوں کے آزادانہ اور بلا ضرورت اختلاط پر پابندی ہوتی ہے، ایک عورت ایک نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی یعنی خلوہ میں نہیں بیٹھ سکتی، تنہا عورت کو 24 گھنٹے سے زائد کے سفر پر محرم مرد کی ہمراہی درکار ہوتی ہے وغیرہ۔ آج اگر ہم روز اخبار کے کرائم کارنر پر نظر دوڑائیں تو کتنے ہی زنا بالجبر اور قتل کے واقعات انہی اسلامی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست فحاشی و عریانی اور اس کی اشاعت کو ممنوع قرار دیتی ہے اور ایسے ذرائع کو مسدود کر دیتی ہے جو جنسی فرسٹریشن اور نوجوانوں کے اخلاقی بگاڑ کا باعث بنیں۔ مثلاً انٹرنیٹ پر فحش ویب سائٹس کی روک تھام، کیبل پر

موثر سینسر، فحش ملکی و غیر ملکی جرائد پر پابندی وغیرہ کے ذریعے اسلامی معاشرے کو پاکیزہ رکھا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ تعلیمی نظام کے نفاذ سے بھی نوجوانوں کی اخلاقی تطہیر کی جاتی ہے اور حدیث کے اس حکم کو بھی پورا کیا جاتا ہے کہ بالغ لڑکے لڑکیوں کی شادیوں میں جلدی کی جائے تاکہ گناہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ اس کے علاوہ پردے کے احکامات اور خواتین اور مردوں کے لیے نظریں نیچی رکھنے کا حکم بھی پورا کیا جاتا ہے۔ ان تمام قوانین اور اقدامات کے باوجود جب کوئی عورت یا مرد تمام تر رکاوٹوں کو پھاند کر زنا جیسے فعل قبیح کے مرتکب ہوں تو اس سرکشی پر کوڑوں یا رجم جیسے احکامات کا نفاذ عین انصاف ہے۔

افسوس یہ ہے کہ صدر ضیاء کے دور میں پاکستانی قوانین کی اسلامائزیشن کے نام پر برطانوی قوانین پر چند اسلامی قوانین کا چھڑکاؤ کر کے عوام کو بہلانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ آج پاکستان کے قانون میں عورت کے اسلامی لباس سے متعلق کوئی قانون موجود نہیں، نہ ہی مخلوط تعلیمی ادارے یا محافل پر کوئی پابندی ہے۔ حکومتی سرپرستی میں انٹرنیٹ کلبوں، کیبل نیٹ ورک، وڈیو سنٹرز، انڈین اداکاروں کے فحش شوز، بسنت کے نام پر مخلوط محفلیں، عریاں میگزین و جرائد ملک بھر میں پھیلا کر معاشرے میں موجود جنسی جذبات کو ابھارا جا رہا ہے۔ نیز خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر جلد شادی کرنے کی حوصلہ شکنی کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنسی جرائم، خودکشیوں، عورتوں پر تشدد، زنا بالجبر جیسے واقعات کا گراف آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ چنانچہ اس ماحول میں چند اسلامی سزاؤں کو دکھاوے کے لئے قانون کا حصہ بنانے کا مقصد عوام میں یہ غلط تاثر پیدا کرنا ہے کہ اسلام معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں بگاڑ کی اصل وجہ اسلام کا عدم یا جزوی نفاذ ہی تو ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم انگریز کے اس فرسودہ نظام کی مکمل بیخ کنی کر کے اس کی جگہ مکمل اسلام نافذ کریں جو عوام کو شر سے محفوظ رکھے گا۔

اب ہم ان اعتراضات کی طرف آتے ہیں جو حدود آرڈیننس کے متعلق اٹھائے جاتے ہیں۔

ان میں سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں زنا اور زنا بالجبر کے مابین تمیز اور فرق نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً جب کوئی عورت زیادتی کا شکار ہوتی ہے تو اسے ثابت نہ کر سکنے پر اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر کے زنا کا کیس بنا دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حدود آرڈیننس کے ڈرافٹ میں ایسی تمیز نہیں کی گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام میں زنا بالجبر کے لیے الگ سے کوئی حکم ہی موجود نہیں۔ ڈرافٹنگ کی غلطیوں کو اسلام کے سر تھوپنے کا کوئی جواز نہیں اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم اس بنیاد پر باقی تمام اسلامی حدود وقوانین کو ردّی کی ٹوکری کی نذر کر

> **اگر اللہ کے احکامات کو ڈرافٹ کرتے ہوئے کوئی غلطی کی گئی ہے تو اس کی نشاندہی کی جانی چاہیے نہ کہ حدود اللہ کو تنقید یا تحقیر کا نشانہ بنایا جائے**

دیں۔ ''حدود آرڈیننس'' بلاشبہ انسان کا ڈرافٹ کردہ ہے مگر حدود بذات خود اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ احکامات کا حصّہ ہیں۔ لہٰذا ان احکامات پر کوئی بحث و مباحثہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر اللہ کے احکامات کو ڈرافٹ کرتے ہوئے کوئی غلطی کی گئی ہے تو اس کی نشاندہی کی جانی چاہیے نہ کہ حدود اللہ کو تنقید یا تحقیر کا نشانہ بنایا جائے۔ گزشتہ چند سالوں سے NGOs حدود آرڈیننس کو بنیاد بنا کر حدود اللہ کی تذلیل میں مصروف ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ فارن فنڈڈ NGOs زنا اور زنا بالجبر کی وجوہات پر بات کرنے سے گریزاں ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ انڈین فلموں پر پابندی لگانے کا مطالبہ نہیں کرتیں جہاں تقریباً ہر فلم میں جبراً یا بالرضا زنا دکھایا جاتا ہے یا اس کی ترویج دی جاتی ہے؟ کیا عورتوں کے خلاف جنسی تشدد کی وجہ یہ فلمیں اور فحاشی کی ترویج ہے یا اسلامی سزائیں جو زنا بالجبر ہی نہیں بلکہ فریقین کی مرضی سے ہونے والے زنا کی بھی حوصلہ شکنی کرتی ہیں؟

جہاں تک زنا کا تعلق ہے تو زنا ثابت کرنے کے لیے یقیناً چار گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔ صرف اسی صورت میں زنا کی حدّ نافذ کی جاسکتی ہے۔ اگر گواہ چار سے کم ہوں تو حد کا نفاذ نہیں ہوگا۔ اسی طرح فقط چار گواہوں کا ہونا اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ قاضی ان گواہوں سے جرح کرتا ہے اور دیگر زمینی حقائق و شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے کسی فیصلے تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح اعتراف جرم یا اقرار کرنے سے بھی زنا ثابت ہو جاتا ہے اور ظہور حمل سے بھی اس کا ثابت ہونا شریعت میں موجود ہے۔ دوسری طرف اگر شہادتیں موجود نہ ہوں تو یہ حد جاری نہیں کی جاسکتی خواہ قرائن، حالات و واقعات اور دیگر طریقوں سے زنا کا شبہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حدیث ہے ''ادرؤا الحدود بالشبهات''یعنی ''حدود کو شبہ کی بنیاد پر جاری نہیں کیا جاسکتا''، کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (جس کا مفہوم یوں ہے)

''اگر میں کسی کو بغیر شہادت رجم کرسکتا تو فلانی عورت کو رجم کرتا کیونکہ اس کی حرکات وسکنات، اس کے گھر اور اس کے گھر میں آنے جانے والوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے''

لہٰذا آپ ﷺ نے اس کو بغیر چار گواہوں کے سزا نہیں دی۔ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اگر ایک عورت اور مرد ایک ہی لحاف میں قابل اعتراض حالت میں پائے گئے اور زنا ثابت کرنے کے لئے چار گواہ نہیں ہیں تو انہیں چھوڑ دیا جائیگا۔ بلکہ انہیں اس نازیبا حرکت کی تعزیراً سزا دی جائے گی۔ جو کہ 15 سال تک کی ہوسکتی ہے۔

جہاں تک زنا بالجبر کا تعلق ہے تو اسلام اسے زنا سے بڑا جرم گردانتا ہے۔ اگر زنا بالجبر اقراراً جرم یا چار گواہوں کے ذریعے ثابت ہوجائے تو قاضی مجرم کو حد زنا کے علاوہ تعزیراً مزید سزا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر چار گواہوں کے ذریعے زنا بالجبر ثابت نہ ہوسکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب مجرم کو

کھلا چھوڑ دیا جائیگا بلکہ قاضی کے پاس اختیار ہے کہ وہ اس شخص کو تعزیراً سزا دے۔ زنا بالجبر عزت پر حملہ ہے بالکل ایسے ہی جیسے انسان کی جان و مال پر حملہ ہو۔ چنانچہ جس طرح جان و مال پر حملہ کے لیے چار گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی بالکل اسی طرح عزت پر حملہ ثابت کرنے کے لیے شریعت چار گواہوں کی شرط نہیں لگاتی۔ چار گواہوں کی شرط صرف حد جاری کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی جنسی حملہ کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کے علاوہ زمینی حقائق اور دیگر واقعاتی شواہد سے بھی استفادہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ زنا بالجبر اور بدفعلی کی صورت میں ڈاکٹری رپورٹ اور دیگر زمینی شواہدات کی روشنی میں مجرم کو سزا دی جاسکتی ہے۔ یہ سزا 15 سال قید، درے اور شہر بدری کی سزا ہوگی۔ واضح رہے کہ قذف کا معاملہ بھی زنا بالرضا کی صورت میں ہے نہ کہ زنا بالجبر میں۔ یہی وجہ ہے کہ زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت قاضی کے سامنے محض زمینی اور دیگر شواہد پیش کر کے بری ہوجاتی ہے اور اس پر چار گواہ پیش نہ کرنے پر قذف کی حد جاری نہیں ہوتی۔ مزید برآں اسلام کی رو سے عورت سے زنا بالجبر یا مرد سے بدفعلی ایک ہی قسم کے جرم ہیں اور دونوں کے لیے اسلام میں ایک ہی حکم ہے۔

علاوہ ازیں اگر کوئی خاتون یہ دعویٰ کرے کہ اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تھی تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی خاتون حاملہ ہوجائے اور اس کا شوہر موجود نہ ہو تو اس کا یہ دعویٰ کہ اس کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا ہے، حد کو ساقط کرنے کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ سعید سے مروی ہے کہ ان سے خلف بن خلیفہ اور ان سے ہاشم نے بیان کیا کہ ''حضرت عمرؓ بن الخطاب کے سامنے ایک عورت پیش کیا گیا جس کا شوہر نہ تھا اور وہ حاملہ ہوگئی تھی، حضرت عمرؓ نے اس سے وجہ دریافت فرمائی تو اس نے کہا: میں بے حد گہری نیند والی عورت ہوں، ایک شخص نے مجھ سے سوتے میں زنا کیا اور میرے اٹھنے سے پہلے وہ ایسا کر چکا تھا، تو حضرت عمرؓ نے اس پر سے حد ساقط کر دی'' اسی طرح براء بن صبرہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک حاملہ عورت لائی گئی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تھی تو آپ نے کہا: ''اس کو چھوڑ دو'' ان دونوں واقعات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ چنانچہ یہ ہمارے لیے شرعی دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پس حدود اللہ کے معاملے میں کسی سے ناانصافی ناقابل تصور ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں ایک عورت کو بلاثبوت یا زنا بالجبر کی صورت میں سنگسار نہیں کیا جاتا، نہ ہی سالہا سال جیلوں میں بے وجہ رکھا جاتا ہے بلکہ زنا بالجبر کے مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے۔ البتہ یہ ہمارے یہاں کا غیر اسلامی عدالتی نظام اور قوانین ہیں جو عورت کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے موجب ہیں اور اسے کئی کئی سال جیلوں میں بلاثبوت بند رکھا جاتا ہے۔

> **ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں محض حدود آرڈیننس اور قصاص و دیت ہی نہیں پورے کا پورا اسلامی نظام مکمل طور پر اور یکمشت نافذ کیا جائے**

ایک اور اہم مسئلہ جو حدود آرڈیننس کے حوالے سے اٹھایا جاتا ہے کہ مرد اپنی بیویوں پر زنا کا جھوٹا الزام لگا کر انہیں حدود آرڈیننس کے تحت جیل بھجوا دیتے ہیں، لہذا حدود آرڈیننس کو ختم کر دینا چاہیۓ۔ اگر ہم اسلام کی رو سے دیکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مرد اگر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے اور اس کے پاس چار گواہ نہیں تو پھر اس صورت میں ''لِعان'' کے قانون پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان کی شہادت (جو کہ واقع حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا (یعنی حد زنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو'' (سورۃ النور:9-6)

اس طرح عدالت میں اس کاروائی کے بعد وہ عورت اور مرد ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں اور یہاں پر حد زنا اور قذف لاگو نہیں ہوتیں۔ چنانچہ قطع نظر اس امر کے کہ حدود آرڈیننس اور دیگر پاکستانی قوانین کی ڈرافٹنگ میں کون کون سے عیوب ہیں، اسلام اس مسئلے کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیتا ہے۔

دوسری طرف اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس صورت میں بھی اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اسے چار گواہ پیش کرنے پڑیں گے جنہوں نے شرعی تعریف کے مطابق عین فعل زنا دیکھا ہو۔ اگر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد قذف نافذ ہوگی۔ نیز عورت کو گرفتار کر کے کئی کئی سال جیل بھیجنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا) کی تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی درے لگاؤ'' (سورۃ النور:4)

چنانچہ کسی معصوم اور باعفت خاتون پر زنا کا الزام لگانے کی کڑی سزا مقرر کی گئی ہے۔

یہ تنقید بھی درست نہیں کہ حدود آرڈیننس کے تحت جھوٹے مقدمے بنائے جا رہے ہیں کیونکہ جھوٹے مقدمے تو کسی جرم کے متعلق بن سکتے ہیں۔ مگر ایسا مقدمہ جو بلاثبوت ہو خارج بھی ہوجاتا ہے۔ کیا یہ درست نہیں کہ پاکستان میں دفعہ 302 کے تحت اور دیگر قوانین کے تحت جھوٹے مقدمے بنتے ہیں اور بے گناہ سزا پاتے ہیں۔ تو پھر یہ حقوق نسواں کی علمبردار دفعہ 302 کے خاتمے کے لئے تحریک کیوں نہیں چلاتیں؟ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ عدالتی نظام میں اصل مسئلہ غلط مقدمہ قائم کرنے کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ جونہی مدعی ایف آئی آر درج کرواتا ہے تو پولیس بلا کسی ثبوت کے ملزم کو پکڑ کر حوالات میں بند

کر دیتی ہے۔ لہٰذا ہمارے برطانوی قوانین پر مبنی عدالتی نظام ہی کے تحت پولیس ملزم پر ظلم و تشدد کرتی ہے خواہ کیس حدود کا ہو یا 302 کا۔ اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ نظام کے تحت عدالت پولیس کو جسمانی ریمانڈ کے تحت ملزم سے تفتیش کرنے کا ہر ممکن اختیار عطا کرتی ہے یا پھر جوڈیشل ریمانڈ کے تحت اسے جیل بھجوا دیا جاتا ہے۔ پھر سالہا سال کیس ہی شروع نہیں ہوتا اور ملزم کو تاریخوں اور پیشیوں کی ہی مار ماری جاتی ہے۔ یوں انگریز کے چھوڑے عدالتی Procedural Laws کی پیچیدگیوں کے باعث ملزم سالہا سال بلاثبوت جیل میں سڑتا رہتا ہے فقط اس لئے کہ اس کے پاس ضمانت کے لئے پیسے نہیں یا ضمانت دینے والے رشتہ دار نہیں۔

اس کے برعکس اسلام میں موجود Procedural Law ان تمام نقائص سے پاک ہے۔ یہاں نہ تو ملزم کو بلاثبوت جیل میں بند کیا جاتا ہے، نہ ہی پولیس کو تشدد کا کوئی اختیار حاصل ہے، نہ ہی مقدمے طول پکڑتے ہیں۔ قاضی کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اور اسے کسی دوسری عدالت میں ماسوائے اس کے چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حقائق کے خلاف ہے یا شریعت کے قطعی احکامات کی صریحاً نفی کرتا ہے اس صورت میں فیصلہ کرنے والے قاضی کی باز پرس ہوتی ہے جس کا اختیار صرف قاضی مظالم کو حاصل ہے۔ لہٰذا اس میں اپیل در اپیل اور نچلی سطح کی عدالت سے لے کر اعلیٰ ترین عدالت تک بھاگ دوڑ کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ اسلامی عدالتی نظام میں ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کے لئے احکام الٰہی موجود ہیں۔ شہادتیں پوری نہ ہوں تو حدود کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز قاضی شہادتوں کی تعداد پوری ہونے کے باوجود بھی کیس خارج کر سکتا ہے اگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ گواہ جھوٹ بول رہے ہیں یا دیگر زمینی حقائق اور شواہد ان کے بیانات سے متصادم ہیں۔ مدعی کے ذمے الزام کو ثابت کرنا ہے جبکہ بے گناہ کو ہرگز اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے تگ و دو نہیں کرنا پڑتی۔ اگر مدعی الزام ثابت نہ کر سکا تو مقدمہ خارج ہو جائے گا۔ نیز جھوٹے گواہوں کے لئے بھی اسلام میں کڑی سزا موجود ہے۔

اگر یہ تنظیمیں خواتین کے حقوق کے تحفظ میں اتنی ہی سنجیدہ ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اس برطانوی راج کی باقیات پر مبنی پولیس اور عدالتی نظام کے خاتمے کے لئے مہم چلائیں۔ یہی نظام خواتین پر ہونے والے ظلم کی اصل وجہ ہیں نہ کہ حدود اللہ۔

آج اگر ہم پاکستانی قوانین کی موجودہ صورتحال پر نظر دوڑائیں تو عملاً تمام کے تمام فوجداری اور دیوانی قوانین برطانوی قوانین خصوصاً قبل از تقسیم کے ایکٹوں مثلاً گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 وغیرہ کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں۔ کئی تقسیم کے پہلے کے ایکٹوں میں انڈیا کی جگہ محض لفظ پاکستان ڈال کر انہیں پاکستانی عوام کے سر پر تھوپ دیا گیا ہے۔ land laws, C.P.C, Cr.P.C وغیرہ اس کی ایک مثال ہیں جبکہ بعض ایکٹوں میں چند اسلامی شقیں ڈال کر باقی تمام شقیں غیر اسلامی رہنے دی گئی ہیں مثلاً قانون شہادت وغیرہ۔ محض طلاق، شادی (Muslim Marriage Act) وراثت، حضانت (Guardianship) وغیرہ میں اسلامی قوانین پر جزوی عملدرآمد ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء تو برطانوی راج کے دور میں بھی نافذ تھا اور مسلمان اور ہندو اپنے اپنے پرسنل لاء کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ تو پھر آخر اُس دور میں اور پاکستان بننے کے بعد فرق ہی کیا ہوا جبکہ ہمارے معاشی، معاشرتی، سیاسی، عدالتی، تعلیمی اور خارجہ پالیسی سے متعلق قوانین ابھی تک برطانوی راج کے تابع ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں محض حدود آرڈیننس اور قصاص و دیت ہی نہیں پورے کا پورا اسلامی نظام مکمل طور پر اور یکمشت نافذ کیا جائے تا کہ عورتوں سمیت تمام عوام کی حالت بہتر بنائی جا سکے۔ عورتوں سے زیادتی ان پر ہونے والے تشدد اور ناانصافی کے خاتمے کا یہی ایک واحد اور قابل عمل حل ہے نہ کہ رہے سہے چند اسلامی قوانین کا خاتمہ کرنا۔

مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہو گیا کہ حدود آرڈننس میں خامیاں موجود ہیں اور یہ اللہ کے احکامات (یعنی حدود اللہ) کی مکمل طور پر ترجمانی نہیں کرتا۔ اس لئے نہ تو ہم حدود آرڈننس کی موجودہ شکل میں مکمل حمایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو ختم کرنے کی مغرب نواز حکومتی مہم کا حصہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ حکومت اور مغربی NGOs کا اصل مقصد حدود آرڈیننس کو بنیاد بنا کر اسلام پر کیچڑ اچھالنا ہے نہ کہ عورت یا اسلام کی خدمت کرنا۔ نیز یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنا ہے کہ اسلام آج کے دور میں قابل عمل نہیں رہا۔ ہمیں امت کے سامنے اس حکومتی سازش کو بے نقاب کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس مسئلے کے بارے میں مذکورہ بالا اسلامی احکامات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا ہوگا تا کہ وہ جان سکیں کہ اسلام اس نازک مسئلے کو کس خوش اسلوبی سے حل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں سیکولر حضرات سے بحث کے دوران ہمارا طرزِ عمل دفاعی کے بجائے اقدامی ہونا چاہئے اور اس بات پر زور دینا چاہئے کہ زنا بالجبر کے عوامل شخصی آزادی کے وہ افکار ہیں جنہیں وہ پھیلانے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ جنہیں بنیاد بنا کر معاشرے میں فحاشی پھیلائی جا رہی اور اور مرد و زن کے باہم اختلاط کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ نیز ان سیکولر حضرات کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی مبذول کرانی ہوگی کہ آج آزادیوں کی ناقص فکر پر کھڑے وہ مغربی معاشرے، جن کی تقلید کی وہ ہمیں دعوت دے رہے ہیں، میں زنا اور زنا بالجبر کی کیا شرح ہے اور عورت ذلت کے کس گڑھے میں گری ہوئی ہے۔ نیز امت کے سامنے اس حقیقت کو بھی پر زور انداز میں بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ایک مربوط مکمل نظام ہے جس کا نفاذ اقساط میں ممکن ہے اور نہ ہی سودمند۔ چنانچہ امت کو اسلام کے مرحلہ وار آرڈننسوں کے ذریعے نافذ کرنے کی بے سود مشق سے اب تائب ہونا ہوگا اور خلافت کے ذریعے یک مشت اور مکمل نفاذ کی جدوجہد کرنی ہوگی۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''مومن طعنہ زنی کرنے ولا، لعنت کرنے والا، بیہودہ بات کرنے والا اور بدکلامی کرنے والا نہیں ہوتا''
(ترمذی)

فرقہ واریت کا اصل حل

11 اپریل 2006 کو ربیع الاوّل کے مہینے میں جب پوری دنیا میں مسلمان پیارے رسول محمد ﷺ کی یاد منا رہے تھے تو کراچی میں بم دھماکے کی ایک بزدلانہ کاروائی ہوئی، جس کے نتیجے میں پچاس سے زیادہ لوگ جاں بحق ہوگئے اور درجنوں لوگ زخمی ہوئے۔ جو شخص بھی اس سانحے کے موقع پر موجود تھا اس کے لیے اس واقعے کا منظر انتہائی بھیانک اور ناقابلِ دید تھا اور جس نے بھی اس واقعے کی خبر سنی، وہ غمزدہ ہوگیا۔

یہ معاملہ انتہائی حساس ہے اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس غدارانہ کاروائی کے حقائق اور مقاصد پر غور کریں تاکہ ہم مسلمان، دشمنانِ اسلام کے جال میں پھنسنے سے محفوظ رہیں، ورنہ مسلمان کم نظری میں مبتلا ہوجائیں گے اور ایک دوسرے کو اپنے غم و غصے کا نشانہ بنالیں گے، اور ایسا کرنا محض مسلمانوں کے دشمنوں کے فائدے کا سبب بنے گا۔ اس لیے اس موقع پر ان تین پہلوؤں کو مدِنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے:

اول: ہر مسلمان، خواہ وہ سنی ہے یا شیعہ، مہاجر ہے یا سندھی، پنجابی ہے یا پٹھان، کشمیری ہے یا بلوچی، اور وہ اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے، اُسے اس موقع پر اس آیت کو ضرور یاد رکھنا چاہئے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ "جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اسکے لیے عظیم عذاب تیار کر رکھا ہے"

اور ہر مسلمان جو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، اسے اس حدیث کو بھی یاد رکھنا چاہئے:

((لزوال الدنیا أھون عند اللہ من قتل رجل مسلم)) "اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا خاتمہ ایک مسلمان مرد کے قتل کے سامنے ہیچ ہے"

دوم: یہ افسوس ناک سانحہ، سنی اور شیعہ مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے ہونے والے حملوں، نسلی تفریق اور پُرتشدد کاروائیوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ تقسیمیں صرف ان لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں جو اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف مزید منافرانہ قدم اٹھا کر اسلام کے دشمنوں کی سازشوں کے جال میں نہ پھنسیں۔ پس آپ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کی پیروی کریں، جن کے متعلق قرآن نے فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِينَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

"محمد رسول اللہ اور جو ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار کے خلاف سخت اور آپس میں رحم دل ہیں" (الفتح:29)

اور حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"مومنین باہمی محبت، رحم دلی اور الفت میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو باقی سارا جسم بے آرامی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے"

سوم: یہ بات ایک مرتبہ پھر واضح ہوگئی ہے کہ موجودہ نظام تلے مسلمانوں کی زندگیاں، مسلمانوں کا دین، مسلمانوں کے علماء، غرضیکہ کوئی بھی چیز محفوظ نہیں۔ کئی دہائیوں سے اس نظام نے بار بار مسلمانوں کے امور سے غفلت برتی اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوجانے کی راہ پر ڈال دیا۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس افسوس ناک سانحے کے ساتھ آگاہی اور ہوش مندی کے ساتھ نبٹیں، ایک دوسرے کو نشانہ بنانے کی بجائے مسلمان کی حیثیت سے موجودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کام کریں، جس نے مسلمانوں کو پریشانیوں اور تفرقے کی آگ میں جھونک رکھا ہے۔ اور اس کی بجائے **خلافت** قائم کریں کیونکہ یہ اسلام کا نظامِ حکومت ہی تھا جس نے مدینہ المنورہ کے لوگوں کے دلوں کو جوڑ دیا، جو اس سے قبل کئی نسلوں سے مختلف تفریقوں میں مبتلا تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور متفرق مت ہوجانا۔ اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جو اللہ نے تم پر کی، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت حاصل کرو" (آل عمران:103)

یہ بات طے ہے کہ پاکستان میں نافذ سرمایہ درانہ نظام ہی ہے جسے انگریز اپنے جانے کے بعد ہمارے لیے چھوڑ گئے۔ سرمایہ درانہ نظام مفاد کے نظریئے پر قائم ہے اور مفاد کی خاطر لوگوں کے درمیان نفرتیں پیدا کرنا، صوبائیت اور فرقہ واریت کو ہوا دینا اس کا وطیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا حکم کہ ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں کو پورا کرنا اس نظام کے تحت ممکن نہیں کیونکہ یہ نظام تو اس کی ضد ہے یہ نفرتیں تو پیدا کرسکتا ہے لیکن وحدت اور محبت نہیں۔ اس کے مقابلے میں خلافت کا نظام مسلمانوں کے درمیان نفرت کو دور کرتا ہے اور محبت کو بڑھاتا ہے۔ یہ نظام بھائی چارے کی فضا پیدا کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾

"بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"

☆☆☆

لبنان میں پاکستانی فوج بھیجنا امریکی مفاد میں ہے

فلسطین کی سرزمین پر قابض یہودی ریاست کی لبنان پر جارحیت، جس میں اس نے عورتوں اور بچوں کو حتیٰ کہ درختوں اور پتھروں تک کو نشانہ بنایا، کے کئی ہفتوں بعد پاکستان کے وزیراعظم شوکت عزیز نے لبنان کا دورہ کیا۔ جس کے دوران 5 ستمبر 2006 کو پریس کانفرنس میں میڈیا سے بات کرتے ہوئے شوکت عزیز نے تجرباتی طور پر اور محتاط انداز میں اعلان کیا کہ پاکستان اپنی فوجیں لبنان بھیجنے کے بارے میں غور کر رہا ہے۔ اس کے بعد یہ خبر پاکستانی میڈیا میں پھیلائی گئی تاکہ عوام کے ردِعمل کو جانچا جاسکے۔ شوکت عزیز نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ فوجی دستے اقوامِ متحدہ کے جھنڈے تلے روانہ کیے جارہے ہیں؛ تاہم اس کے ساتھ ہی شوکت عزیز نے اس بات کی توثیق کی کہ اس کی حکومت فوجی دستوں کی تعداد کا فیصلہ کرنے کے متعلق اقوامِ متحدہ اور لبنانی حکومت سے گفت و شنید کر رہی ہے۔ 9 ستمبر 2006 کو اسلام آباد میں شوکت عزیز نے اعلان کیا: ''ہم نے بیروت اور نیویارک (اقوامِ متحدہ) میں اپنے سفیروں سے کہا ہے کہ فوج کی تعداد کے معاملے کو طے کریں۔ یہ تعداد سینکڑوں میں ہو گی''۔

پاکستانی حکومت نے لبنان فوج بھیجنے کے لیے محتاط طرزِ عمل اختیار کیا کیونکہ اس سے قبل پاکستان کے مسلمانوں نے عراق پر امریکی قبضے کو مستحکم بنانے کی خاطر پاکستانی فوجیں عراق بھجوانے کے حکومتی منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا۔ اُس موقع پر مشرف نے امریکی میڈیا کے سامنے کھلم کھلا طور پر اعلان کیا تھا کہ وہ عراق فوجیں بھیجنے کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ 24 جون 2003 کو مشرف نے یہ کہا تھا: ''ہم اصولی طور پر اس سے اتفاق کریں گے... ہاں، شائد پاکستان 8 سے 10 ہزار فوج یا اندازاً ایک ڈویژن فوج مہیا کر سکتا ہے''۔ تاہم مسلمانوں نے مشرف کے اس ارادے کو شدت سے مسترد کر دیا۔ جس کے بعد حکومت کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ وہ رائے عامہ کی مخالفت کی وجہ سے اپنے فیصلے پر عمل درآمد میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ چنانچہ 10 اگست 2004 کو مشرف نے اعلان کیا: ''جب تک (پاکستان کی) اندرونی رائے عامہ اس فیصلے کے حق میں نہیں ہو جاتی، پاکستان اپنی فوجیں عراق روانہ نہیں کرسکتا''۔

علاوہ ازیں پاکستان کے حکمران اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ لبنان فوج بھجوانے کا مقصد کسی طور بھی مسلمانوں کے خون کا تحفظ نہیں۔ بلکہ حکومت کی کوشش یہ ہے کہ اس خطے میں امریکی منصوبے پر پیش رفت کی جائے۔ اور اس منصوبے کا ایک جزو یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تقسیم کو برقرار رکھ کر اور دشمن کے سامنے کمزور کر کے انہیں سزا دی جائے اور اسراء و معراج کی سرزمین پر یہودیوں کے اُس ظالمانہ قبضے کو مستقل طور پر تسلیم کر کے یہودیوں کو نوازا جائے، جس کا آغاز 1948 میں ہوا تھا۔

جہاں تک مسلمانوں کو تقسیم کرنے کا تعلق ہے، تو 12 اگست 2006 کی اقوامِ متحدہ کی قرارداد نمبر 1701، جسے امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے، 16 مئی 1916 کے اُس سائیکس پائیکو (Sykes Picot) معاہدے کی توثیق کرتی ہے جو برطانیہ اور فرانس کے مابین طے پایا تھا، اور جس کے نتیجے میں **خلافت** کے علاقوں کو مختلف قومی ریاستوں میں بانٹا گیا تھا۔ یہ کفار کی پشت پناہی سے کی جانے والی قومیت کی بنیاد پر اسلامی علاقوں کی تقسیم ہی تھی جس نے مسلمانوں کو یکجا ہو کر قابض قوتوں کو ویسا بھرپور جواب دینے سے روکے رکھا، جیسا کہ ماضی میں مسلمانوں نے صلیبیوں اور تاتاریوں کو دیا تھا۔ جبکہ آج بزدل یہودی مسلمانوں کے خلاف ننگی جارحیت کر رہے ہیں حالانکہ صرف شام، ایران، ترکی، انڈونیشیا اور پاکستان کی افواج کی مجموعی تعداد پچیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ ایک اتنی بڑی فوج جس کی تعداد اور بہادری کے سامنے اُس یہودی فوج کی کوئی حیثیت نہیں، جسے معمولی اسلحے کے حامل حزب اللہ کے مخلص نوجوان جنگجوؤں نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔

جہاں تک یہودیوں کو نوازنے کا تعلق ہے، تو امریکی پشت پناہی کی حامل اقوامِ متحدہ کی یہ قرارداد یہودی قبضے کو مخلص مسلمانوں کی مزاحمت سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ 13 ستمبر 2006 کو یہودی ریاست کے وزیر خارجہ زپی لِوونی Tzipi Livni نے امریکہ کی سیکرٹری آف سٹیٹ کونڈا لیزا رائس کے ساتھ پریس کانفرنس کے دوران کہا: ''میں سمجھتی ہوں کہ قرارداد نمبر 1701 خطے کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے... یہ امریکہ اور رائس کے ذاتی عزم کا نتیجہ ہے، اس بات کا عزم کہ دوبارہ اس خطرناک صورتِ حال کی طرف نہ لوٹا جائے جو جنگ سے قبل موجود تھی، یعنی اسرائیل پر بلااشتعال حملے''۔

پس امریکہ کوئی نقصان اٹھائے بغیر اپنے مفادات کو محفوظ بنانے کی امید کر رہا ہے بالکل اسی طرح جیسے وہ افغانستان اور عراق پر حملے سے قبل امید کر رہا تھا لیکن اپنے اندھے غرور کے نتیجے میں اس نے اپنے آپ کو افغانستان اور عراق میں پھنسا لیا۔ جہاں تک اس مسئلے میں مالی نقصان سے بچنے کا تعلق ہے تو امریکہ وسائل سے محروم یہودی ریاست کو سہارا دینے کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، جو کہ اس وقت امریکہ سے امداد حاصل کرنے میں سر فہرست ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے پہلے مسلمانوں کے ایجنٹ حکمرانوں کے ذریعے اسرائیل کو تسلیم کروایا جائے اور پھر یہ حکمران اسرائیل کو دعوت دیں گے کہ وہ امتِ مسلمہ کے بے پناہ وسائل میں شریک ہو جائیں۔ اور جہاں تک جنگی نقصان سے بچنے کا تعلق ہے، تو امریکہ جو اس وقت جب وہ اپنے بزدل فوجیوں کو امریکہ کی خاطر لڑنے پر آمادہ کرنے میں ناکام ہے، تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو اس بات پر

آمادہ کرے گا کہ وہ ایک اور محاذ پر امریکی مفاد کی خاطر اپنے بیٹوں کو قربان کریں۔ لہٰذا کفار کے مفاد کی خاطر مسلمان افواج کو لبنان بھیج کر مسلمان حکمران مسلم افواج کو قربانی کی بھینٹ چڑھائیں گے تاکہ وہ قابض یہودیوں کے خلاف مسلمانوں کی مزاحمت کے سامنے یہودیوں کے لیے انسانی ڈھال کا کام دیں۔ اور اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ امریکی مفادات کے تحفظ کی خاطر دیگر علاقوں میں مسلمان افواج کو روانہ کرنے کے لیے اس اقدام کو ایک نمونہ نہیں سمجھا جائے گا۔

حکومتِ پاکستان کی لبنان فوج بھیجنے کی یہ سوچ حقیقت میں اس چیز کی تیاری ہے کہ مسلمانوں کو ایک بار پھر کفار کے ہاتھوں زک پہنچائی جائے۔ یہ حکمران مسلمانوں کی بجائے ایک ایسی قوم کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ جما لیا، ایسے علاقے جن میں اسراء معراج کی مبارک سرزمین بھی شامل ہے کہ جسے آزاد کرانے کے لیے صحابہ کا مقدس خون بہہ چکا ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ حملہ آور کفار کے خلاف جہاد کیا جائے اور انہیں وہاں سے نکال پھینکا جائے جہاں سے کفار نے مسلمانوں کو نکالا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَاَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰٓى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ‌ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾

''اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہارے دین کی وجہ سے تم سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو ایسے لوگوں سے دوستی کریں وہی ظالم ہیں'' (الممتحنہ: 9)

یہ حکمران اس کوشش میں ہیں کہ مسلمان بدستور منقسم اور کمزور رہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایک امت بن کر رہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ص وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا﴾

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور متفرق مت ہوجانا۔ اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جو اللہ نے تم پر کی، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا'' (ال عمرن:103)

حکومتِ پاکستان کی یہ کوشش مسلمانوں کو

> **کفار کے مفاد کی خاطر مسلمان افواج کو لبنان بھیج کر مسلمان حکمران مسلم افواج کو قربانی کی بھینٹ چڑھائیں گے**

مزید تقسیم کرنے انہیں کفار کے مقابلے میں اپنے ہتھیار پھینکنے اور مسلمانوں کے وسائل کو کفار کے ہاتھوں لٹنے کا باعث بنے گی۔ یہ قطعی طور پر مسلمانوں کے مفاد میں نہیں۔ اس منکر کے خلاف جتنی بھی آواز بلند کی جائے کم ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اردگرد ہر اس شخص سے بات کریں جن سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں اپنے علماء اکرام، سیاست دانوں اور دوسرے اہم افراد سے اس مسئلے پر بات کرنا ہوگی اور کہنا ہوگا کہ وہ سب بھی اس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مستقل طور پر مسلمانوں کے بیٹوں کو ان حکمرانوں کی غداریوں اور ان حکمرانوں کے آقا یعنی استعماری کفار سے بچانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ **ریاستِ خلافت** کو قائم کیا جائے، جو کہ مسلمان نوجوانوں کو ایسی عظیم اور بہادر فوج کی شکل میں مجتمع کرے گی، جو کہ جدید دنیا کی آنکھ نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی۔ یہ فرض مسلمانوں کی گردن پر ہے کہ وہ **خلافت** کے دوبارہ قیام کے لیے ایک ایسی جماعت کے ساتھ مل کر کام کریں جو اسلام کو طرزِ حیات کے طور پر نافذ کرے گی اور اسے پوری دنیا تک لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت سے قبل یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾

''اور تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ اور درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں''

(ال عمرن:104)

لہٰذا یہی وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے ان حکمرانوں کے ہاتھوں ہونے والی پے در پے خیانتوں کو روک سکتے ہیں۔ یہ فرض مسلمانوں کی گردنوں پر ہے اور انہیں ہی اس فرض کو ادا کرنا ہے۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''بے شک جو لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے لئے جنت میں سے ایک نیا دروازہ کھولا جائے گا۔ اور پھر ان سے کہا جائے گا: آؤ آؤ۔ پس وہ شخص اپنی تمام تر بے چینی اور غم کے ساتھ آئے گا۔ لیکن جب وہ دروازے تک پہنچے گا تو دروازہ اس پر بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے لئے ایک اور دروازہ کھولا جائے گا اور پھر اس سے کہا جائے گا: آؤ، آؤ۔ پس وہ اپنی تمام تر بے چینی اور غم کے ساتھ آئے گا۔ لیکن جب وہ دروازے تک پہنچے گا تو دروازہ اس پر بند کر دیا جائے گا۔ ایسا ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: آؤ تو وہ اس مایوسی میں سے نہیں نکلے گا (کہ وہ جنت میں کبھی داخل ہو سکے گا)

(شعب الایمان)

کیمرے کی آنکھ سے

ترکی میں حزب التحریر کے ارکان میڈیا کے سامنے حزب کا پیغام پڑھ رہے ہیں

انڈونیشیا میں اسقاطِ حمل کو قانونی قرار دیئے جانے کے خلاف حزب التحریر کا مظاہرہ

رام اللہ (فلسطین) میں یوم سقوطِ خلافت کے موقع پر کیئے گئے حزب التحریر کی طرف سے سیمینار کے مختلف مناظر

حزب التحریر کے رکن تیمور بٹ اسلام آباد میں 'یوم سقوط خلافت سیمینار' سے خطاب کر رہے ہیں

کیمرے کی آنکھ سے

برطانیہ میں حزب التحریر کے ارکان کی طرف سے منعقد کئے گئے سیمینار کے مختلف مناظر

ملائشیاء میں حزب التحریر کی طرف سے نکالی گئی ریلی کے مختلف مناظر

بیروت میں حزب التحریر کے ارکان پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

غزوۂ حنین

قبیلہ ہوازن کو جب فتح مکہ کی خبر ہوئی تو اُنہیں ڈر ہوا کہ مسلمان اب اُن پر حملہ کرنے آئیں گے، چنانچہ اُنہوں نے پہلے ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ مالک ابن عوف النصری نے ہوازن اور ثقیف کو اس غرض سے متحد کیا اور اُنہیں لیکر وادیٔ اوطاس پہنچا۔ مسلمانوں کو اس کی اطلاع فتحِ مکہ کے پندرہ دن بعد ملی اور وہ ہوازن کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ ادھر مالک بن عوف اوطاس سے اپنی فوج کو نکال کر حنین کی چوٹیوں پر چلا گیا جس کے درمیان ایک تنگ وادی تھی۔ یہاں اُس نے اپنی فوج کو منظّم کیا اور یہ حکم دیا کہ جب مسلمان یہاں پہنچیں تو اُن پر ایک ساتھ مل کر بڑی شدّت سے حملہ کریں جس سے اُن کی صفیں ٹوٹ کر بکھر جائیں اور وہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں اور اُنہیں بری ہار کا سامنا کرنا پڑے۔ اپنے اس منصوبہ کو طے کر کے اب وہ مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر حضور اکرم ﷺ کے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ جو فتحِ مکہ میں شامل تھے اور اُن کے ساتھ دو ہزار وہ مکہ کے مسلمان جو ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے تھے، مدینہ سے نکل کر شام کے وقت حنین پہنچے اور اگلی صبح فجر کے وقت تک وہیں رہے۔ فجر کے وقت اندھیرے میں یہ فوج وادی کی طرف بڑھی اور حضور ﷺ اپنے سفید خچر پر فوج کے پچھلے حصہ میں رہے۔ فجر کے اندھیرے میں مسلمانوں کو پتہ بھی نہ چلا اور دشمن نے اپنے قائد کے حکم پر بیک وقت حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں ہر جانب سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھار ہونے لگی اور وہ دہشت زدہ ہو ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اس گھبراہٹ اور دہشت کے عالم میں اُن کے دلوں پر دشمن کا غلبہ چھا گیا، شکست اُن پر حاوی ہوگئی اور وہ ایک دوسرے کی بھی سنے بغیر بس بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اس بھگدڑ میں وہ حضور ﷺ کے پاس سے بھی بغیر رکے گزرتے گئے اور صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ، انصار اور مہاجر صحابہ کی ایک بہت تھوڑی سی جماعت اور اہل بیت ہی رہ گئے جو آپ ﷺ کو گھیرے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ لوگوں کو پکارتے تھے کہ اے لوگو! کہاں چلے، لیکن اُن پر موت کا خوف اور دشمن کی دہشت ایسی طاری تھی کہ وہ یہ بھی نہیں سن پا رہے تھے۔ وہ تو بس پیچھے پڑے ہوئے دشمن سے بھاگ رہے تھے، جو اُنہیں جہاں آ لپکتا، قتل کرتا جا رہا تھا۔ یہ بڑی سخت گھڑی تھی کہ پوری کی پوری فوج بھاگی جا رہی تھی، اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے اور وہ بھی جو ابھی حال میں اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضور ﷺ اُن کو پکارتے تھے اور وہ بغیر سنے بھاگے جا رہے تھے۔ بعض وہ لوگ جو ابھی ابھی ایمان لائے تھے، اُن کے دلوں کی حقیقت سامنے آ رہی تھی اور وہ اس شکست کا ذکر کر کر کے خوش ہو رہے تھے۔ کلدہ بن حنبل کہہ رہا تھا کہ آج یہ جادو ٹوٹ گیا، شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کہہ رہا تھا آج میں محمد (ﷺ) سے بدلہ لے پاؤنگا، آج میں اُنہیں قتل کر دونگا"، ابوسفیان کی زبان پر یہ کلمات تھے "لا تنتهي هزيمتهم دون البحر" یعنی "ان کی یہ ہار اِن کا سمندر تک پیچھا کرتے کرتے ہی ختم ہوگی"۔ یہ کلمات اور اِن جیسی باتیں کرنے والے لوگ وہ تھے جو ابھی مکہ میں اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ لڑنے چلے آئے تھے، لیکن اس شکست نے اُن کے دلوں کے راز کو ظاہر کر دیا تھا۔ اِن کے ساتھ ساتھ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گھبرائے ہوئے بھاگ رہے تھے جو نیت کے اعتبار سے مخلص تھے۔ اب اس جنگ کے جیتنے کی کوئی امیّد باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہ گھڑی حضور ﷺ پر بڑی سخت اور شدید آزمائش والی اور پر خطر گھڑی تھی۔ اس مشکل ترین وقت میں اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ کیا کہ میدان ہی میں ٹکے رہنا ہے اور اپنا سفید خچر دشمن کی طرف بڑھاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تھے جو آپ ﷺ کے خچر کی نکیل پکڑے ہوئے تھے کہ وہ بھاگنے نہ لگے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بڑی پرزور آواز میں لوگوں کو پکار رہے تھے، بالآخر لوگوں نے اُن کی آواز پر توجہ کی اور اُنہیں یاد آیا کہ وہ یہاں جہاد کیلئے خود اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ آئے ہیں اور اگر آج وہ شکست کھا کر مغلوب ہو گئے تو اُن کے دین کا کیا انجام ہوگا جس کی حمایت اُنہوں نے اپنی جان سے زیادہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ اب لوگ آگے بڑھنے لگے، اِن میں یکایک بہادری اور جانبازی کا جذبہ جاگ اُٹھا تھا اور جیسے جیسے لوگ واپس آنے لگے تعداد بڑھتی گئی۔ نہایت دلیری سے یہ لوگ دشمن کی طرف حملہ آور ہوئے اور جنگ میں شدّت آگئی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ کو قدرے اطمنان ہوا، آپ ﷺ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے پھنکیں کہ "تمہارا منہ سیاہ ہو گیا" یعنی اب تم شکست کھا گئے۔ اب مسلمان دشمن کی طرف شہادت کے جذبہ سے بڑھ رہے تھے۔ قتال اتنی شدت سے ہو رہا تھا کہ ہوازن اور ثقیف بوکھلا اُٹھے اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ اب اُن کی موت یقینی ہے۔ اسی بوکھلاہٹ میں وہ اپنے مال اور عورتوں کو مسلمانوں کیلئے مالِ غنیمت چھوڑ کر شکست خوردہ بھاگ اُٹھے۔ اُن کی ایک بڑی تعداد قتل ہو چکی تھی اور کافی بڑی تعداد کو مسلمانوں نے پکڑ کر قید کر لیا تھا۔ مسلمانوں نے جو اب دل جمعی سے لڑ رہے تھے، اُن کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ وادیٔ اوطاس تک بھاگے جہاں اُن کی مزید تعداد ہلاک ہوئی اور شرمناک ہار کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کا سرغنہ مالک بن عوف بھاگ کر طائف پہنچا اور پناہ حاصل کی اس طرح اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح سے ہمکنار فرمایا اور یہ آیات نازل کیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۞ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔

(ترجمہ معانیٔ قرآن کریم: سورۂ توبہ: آیت: ۲۵،۲۶)

☆☆☆

حزب التحریر کی کتاب

اسلام کا نظامِ حکومت

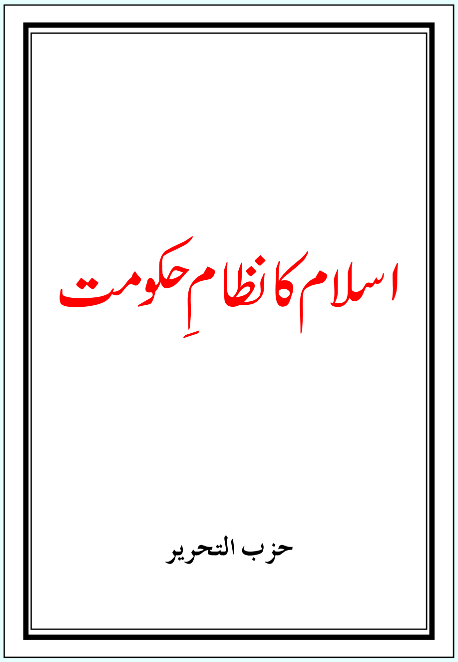

یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے:

- اسلام کے نظامِ حکومت کی شکل و ہیئت کیا ہوتی ہے؟
- اسلام کا نظامِ حکومت کیوں خلافت ہے؟
- اسلام کے اصولِ حکمرانی کیا ہیں؟
- اسلامی ریاست کا ڈھانچہ کیا ہوتا ہے؟
- ریاستِ خلافت انسانی ریاست ہوتی ہے اور یہ ریاستِ الٰہیہ (تھیوکریسی) نہیں ہوتی
- مجلس امت کیا ہوتی ہے اور اس کے اختیارات کیا ہوتے ہیں؟
- اسلام کا تدریجاً نفاذ کیوں حرام ہے؟
- اسلام کیوں پولیس اسٹیٹ کے انداز میں حکومت کرنے کو حرام قرار دیتا ہے؟